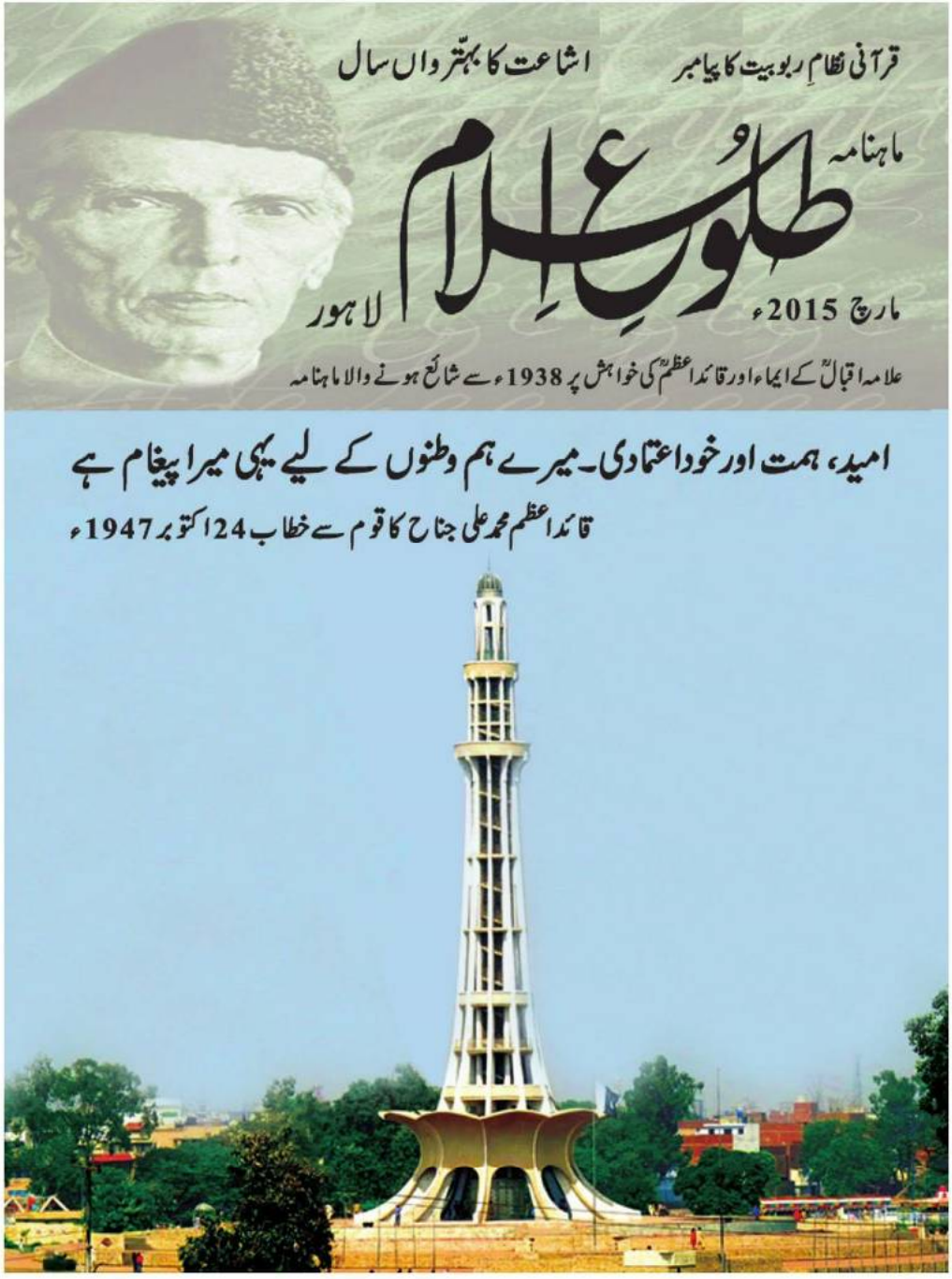

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
اشاعت کا بہتّرواں سال

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

مارچ 2015ء
لاہور
علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر 1938ء سے شائع ہونے والا ماہنامہ

امید، ہمت اور خوداعتمادی۔ میرے ہم وطنوں کے لیے یہی میرا پیغام ہے

قائداعظم محمد علی جناح کا قوم سے خطاب 24 اکتوبر 1947ء

جلد68 شمارہ نمبر 03 مارچ 2015ء

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ نمبر
لمعات: نظریہ پاکستان کیا ہے	ادارہ	4
پرویز صاحب کا نظریۂ اجتہاد (فقہ)	ملک منظور حسین لیل	6
متحرک نفسیات	راجہ عبدالعزیز	14
ق در	غلام احمد پرویز	24
کون ایک خود انحصار شخص ہے	ڈاکٹر عبدالرزاق	29
باب المراسلات	ڈاکٹر انعام الحق	33
اسلامی ہیئتِ اجتماعیہ اور اس کا تقاضے	خواجہ ازہر عباس	38

ENGLISH SECTION

Introduction to development of Mafhoom-ul-Quran (MQ) Software Shahab Aftab 46

Surah *Al-Naziat* (النّٰزِعٰت) – Durus-al-Qur'an By G.A.Parwez

Parah 30: Chapter 4 Translated by: Dr. Mansoor Alam 50

ادارہ طلوعِ اسلام B-25 گلبرگ نمبر 2، لاہور۔ 54660، (پاکستان)

فون: 042-35714546

E-mail: idarati@gmail.com

ناشر و چیئرمین
محمد اکرم راٹھور

مجلسِ ادارت
ڈاکٹر انعام الحق ۔ ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس

مدیر انتظامی
محمد سلیم اختر

قانونی مشیر
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

زرِ تعاون 40 روپے فی پرچہ
پاکستان -/450 روپے سالانہ
بیرون ملک 2500 روپے سالانہ

بینک اکاؤنٹ نمبر
3082-7 نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ گلبرگ
برانچ کوڈ (0465) ۔ لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) کی مطبوعات سے حاصل شدہ جملہ آمدن قرآنی فکر عام کرنے پر صَرف کی جاتی ہے

اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز سے چھپوا کر B-25، گلبرگ II لاہور سے شائع کیا

NAVEED GRAPHIC 5.5x8

طلوعِ اسلام

عقابی شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے
ستارے شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے

ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے
طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے

غبارِ رہ گزر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو
جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو، اکسیر گر نکلے

ہمارا نرم رو قاصد پیامِ زندگی لایا
خبر دیتی تھیں جن کو بجلیاں وہ بے خبر نکلے

حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے
جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے

زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے
یہ خاکی زندہ تر، پائندہ تر، تابندہ تر نکلے

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملت ہے

(بانگِ درا۔ علامہ اقبالؒ)

(جاری ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ادارہ

لمعات

نظریہ پاکستان کیا ہے

(23 مارچ 1940ء کی یاد میں)

یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ہمارے ہاں، موسم بہار کی آمد کے ساتھ ہی، ہماری ملی تاریخ کی دو اہم تقاریب منانے کے دن آتے ہیں۔ بہار کا موسم وہ ہے جس میں کائنات کے گوشے گوشے میں نئی زندگی کی نمود ہوتی ہے۔ شجرِ حیات کی ہر شاخ سے، حسنِ خوابیدہ انگڑائیاں لے کر بیدار ہوتا ہے۔ چٹیل میدانوں میں سبزۂ نورستہ اور خشک ٹہنیوں سے گلِ نو دمیدہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھتا ہے اور ہر دیدۂ بینا سے پکار پکار کر کہتا ہے کہ فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ..... (30:50) ''تم مبداءِ فیض کی نیساں باریوں اور گہر فشانیوں کو دیکھو کہ اس نے کس طرح زمینِ مردہ کو حیاتِ تازہ عطا کر دی''۔

موسم بہار کی انہی حیات بخشیوں میں ہمارے سامنے 23 مارچ کا وہ یومِ سعید آتا ہے جب قوم کے قلوبِ مردہ میں ولولۂ تازہ کے آثار نمودار ہوئے اور اس نے حصولِ آزادی کے عزمِ جواں بخت کا طنطنہ خیز اعلان کیا۔ اور اس کے بعد 21 اپریل کا وہ دن جب اس ولولۂ تازہ کا پیامبر، اپنا مشن پورا کر کے، اپنے سفر کی اگلی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ ان تقاریب کی عظمت واہمیت کا تقاضا تھا کہ انہیں فلک بوس جوش وخروش اور عالمگیر شان وشکوہ سے منایا جاتا، لیکن جس قوم پر صدیوں سے جمود وتعطل چھا رہا ہو، ان کے ہاں ہر حیات بخش عمل محض رسم بن کر رہ جاتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ ہمارے دین کے ایسے انقلاب آفریں عناصر ـــــ صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ وغیرہ ـــــ جنہوں نے انسانیت کے عروقِ مردہ میں خونِ زندگی دوڑا دیا تھا، کس طرح بے روح رسومات کا مجموعہ بن چکے ہیں۔ ان اعمالِ حیات کو بھی چھوڑیئے، وہ کتابِ عظیم جس نے ان کی زندگی کے ہر گوشے میں قندیلِ راہ بننا تھا کس طرح محض الفاظ کا کاغذی پیکر بن چکی ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب اس التزام وتکرار واصرار سے نہیں پڑھی جاتی جس طرح اس کتاب کی تلاوت ہوتی ہے، اور اس کے ساتھ ہی یہ الم انگیز حقیقت بھی ہمارے سامنے ہے کہ دنیا میں یہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے الفاظ تو اس طرح دہرائے جائیں لیکن ان میں سے کسی لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں۔ لاکھوں،

کروڑوں گھروں میں اس کی روزانہ تلاوت سے قطع نظر، ہزاروں، لاکھوں کے مجمع میں اسے ایک ایک رات میں اس طرح ختم کیا جاتا ہے کہ نہ پڑھنے والا اس کا ایک لفظ سمجھتا ہے، نہ سننے والے — اور تراویحوں اور شبینوں کے علاوہ، اب تو گھر گھر قاریوں کے کیسٹ سنائی دیتے ہیں۔ ناظرہ قرآن پڑھانے اور قرأت وتجوید کی تعلیم دینے والے لاکھوں، مکاتب کھلے ہیں جن میں اس کے الفاظ کی ادائیگی کے طور پر طریق سکھائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ کسی کو نہیں بتایا جاتا کہ ان الفاظ کے معانی اور مفہوم کیا ہے۔ جو قوم، اس قسم کی کتابِ عظیم کے ساتھ یہ کچھ کر رہی ہو، وہ اگر اپنی ملی یادگاروں کو محض رسمی طور پر منائے تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟ یہ بھی کچھ کم غنیمت نہیں کہ انہوں نے ابھی ان یادگاروں کو یکسر فراموش نہیں کر دیا!

جس طرح، ہماری معاشرتی (اور مذہبی) زندگی میں جس لفظ کو سب سے زیادہ بار بار دہرایا جاتا ہے، وہ اسلام ہے۔ لیکن آپ کسی سے پوچھ کر دیکھ لیجئے، اس کے ذہن میں اسلام کا کوئی متعین مفہوم نہیں ہوگا۔ اس طرح ہماری سیاسی زندگی میں (پاکستان کے حوالے سے) جن الفاظ کی سب سے زیادہ تکرار ہوتی ہے وہ ''نظریۂ پاکستان'' ہیں۔ اور لفظ اسلام کی طرح، نظریۂ پاکستان کے متعلق بھی کسی سے پوچھئے۔ وہ بتا نہیں سکے گا کہ اس کا مطلب کیا ہے؟ ہم آج اسی ''معمہ'' کو لیتے ہیں۔

دُنیا کی ہر مملکت مقصود بالذات ہوتی ہے لیکن اسلامی مملکت ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ مقصد اس کا نظریہ کہلاتا ہے۔ اسلامی مملکت کا مقصد دین کا تمکن ہے جس میں اطاعت صرف خدا (کی کتاب) کی ہوتی ہے۔

ہمارے ہاں یہ شعر جو زبان زدِ خلائق ہے کہ

پاکستان کا مطلب کیا

لا اِلٰہ اِلا اللہ

معلوم نہیں کہنے والے کے سامنے اس کا وہ مفہوم تھا یا نہیں جو قرآنِ کریم کی رُو سے اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن بات اس نے پتا کی کہی تھی۔ حقیقت یہی ہے کہ پاکستان یا اسلامی مملکت کی اساس لا اِلٰہ اِلا اللہ ہے اور اس سے مراد ہے — خدا کی کتاب (قرآن) کی حکمرانی ———

یہی نظریۂ پاکستان سے مراد ہے۔

☆.....☆.....☆

ملک منظور حسین لیل۔ بھکر
0332-7636560
mhleeladv@yahoo.com

قسط اوّل

پرویز صاحب کا نظریۂ اجتہاد (فقہ)

(قانون سازی)

قانون سازی کا اہم ترین کام، ہر دور میں، بدلتے حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر، قرآن کریم کی حدود میں رہتے ہوئے، پوری امت کی مشاورت سے جاری رہے گا۔ مشاورت کا طریقہء کار بھی پوری امت کی مشاورت سے وضع اور طے کیا جائے گا۔ انفرادی یا اجتماعی (گروہی) تدبر و تحقیق کو صرف تجاویز کی حیثیت حاصل ہوگی۔ قانون سازی کا اختیار کسی ایک فرد، گروہ، جماعت پارٹی یا فرقہ کو حاصل نہیں، یہ پوری امت (یعنی اسلامی مملکت) کا کام ہے۔

علامہ پرویز صاحب نے اسلام میں قانون سازی (فقہ یا اجتہاد) کے بارے میں اُسی نظریہ کو صحیح سمجھا ہے جس کا پرچار علامہ اقبالؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ نے کیا تھا۔ اُن کے مطابق پہلے سے مرتب شدہ فقہ جات اور اپنے آباؤ اجداد کے نتیجہء فکر و عمل سے فائدہ تو اٹھایا جا سکتا ہے مگر انہیں حتمی، حرفِ آخر اور نا قابلِ تغیر و تبدل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ایسا سمجھنا انسانی عقل کی توہین ہے اور قرآن کے منشاء کے خلاف ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسانی عقل اب ناکارہ ہوگئی ہے اور وحی نے جو آزادی عقل کو دی تھی، وہ سلب ہوگئی ہے۔ نا قابلِ تغیر و تبدل صرف قرآن کریم ہے۔ قانون سازی قرآن کریم کے غیر متبدل اصول و اقدار کے دائرے میں رہتے ہوئے، ہر زمانے کی امت اپنے زمانے کے حالات اور تقاضوں کو مدِ نظر رکھ کر کرتی رہے گی۔ یہ بھی واضح رہے کہ فقہ سازی کا اختیار کسی فردِ واحد، گروہ، فرقہ یا پارٹی وغیرہ کو حاصل نہیں، یہ فریضہ اسلامی مملکت کا ہے جو، پوری کی پوری امت کے باہمی مشورہ سے ادا کیا جائے گا۔ علاّمہ اقبالؒ اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نظریات کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

فقہ کیا ہے؟:۔ کسی بھی نظامِ حکومت میں قانون سازی کو بنیادی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ قانون سازی کے بغیر کاروبارِ حکومت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ قرآن کریم کا بنیادی مقصد بھی اپنے طرز کی ایک حکومت قائم کرنا اور اُسے ہمیشہ قائم رکھنا ہے اور ظاہر ہے

کہ اسلامی حکومت میں بھی، بدلتے حالات وکوائف کے ساتھ، نئے نئے مسائل کے حل کے لئے قانون سازی کی ضرورت پڑے گی، لہٰذا، جناب پرویز صاحب نے قرآن کریم کی روشنی میں ''اجتہاد'' یعنی فقہ یا قانون سازی کے بارے میں متعدد مقامات پر بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔

فقہ کے لغوی معنی سوچ بچار کے ہیں۔ اصطلاحاً، قرآن وسنت کی روشنی میں، مسائلِ زندگی پر غور وخوض کر کے ان کا حل مستنبط کرنے (یعنی قانون سازی) کو فقہ یا اجتہاد کہتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں، یہ، عقلِ انسانی کا وہ کام ہے جو وہ، وحی کی روشنی میں، سرانجام دیتی ہے۔ یہ کام ہر زمانے میں ہونا چاہیئے کیونکہ انسانی زندگی کے تقاضے ہر زمانے میں بدلتے رہتے ہیں جن کے لئے نئے نئے قوانین کی ضرورت ناگزیر ہے۔ اس لئے خدا نے قرآن کریم میں ایسے غیر متبدل اصول دیئے ہیں جو ہر دور کے انسان کے لئے یکساں طور پر کارآمد ہیں لیکن، سوائے چند اصولوں کی تفاصیل کے، خدا نے ہر اصول کی جزئیات وتفاصیل نہیں دیں۔ ان اصولوں کی جزئیات وتفاصیل ہر دور میں حالات کے مطابق، اسلامی حکومت، امت کے مشورہ سے، خود طے کرے گی۔ اگر قرآن کریم میں جزئیات وتفاصیل بھی طے کر دی جاتیں تو وہ جزئیات بھی غیر متبدل قرار پا جاتیں اور امت مشکل کا شکار ہو جاتی (مؤلف)۔

فقہ کے بارے میں عقیدہ:۔ عہدِ رسالتمآب ﷺ اور خلافتِ راشدہؓ میں ہر قسم کے (دینی ودنیاوی) قوانین کا اجراء اسلامی مملکت کے مرکز سے ہوتا تھا جس پر پوری امت عمل کرتی تھی۔ (وہ قوانین امت کے باہمی مشورہ سے طے کئے جاتے تھے۔ اس دوران میں اختلافِ رائے تو ضرور ہوتا ہوگا مگر اختلافِ عمل نہیں ہوتا تھا)۔ لیکن امت کی بدقسمتی کہ کچھ عرصہ کے بعد خلافت، ملوکیت میں بدل گئی۔ دین، دنیا سے الگ ہو کر مذہب میں بدل گیا۔ ملوکیت نے دنیاوی امور اپنے ہاتھ میں رکھ لئے اور مذہبی امور مذہبی پیشوائیت کے حوالے کر دیئے۔ امت کے کچھ مخلص افراد نے، انفرادی طور پر نئے پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن کی روشنی میں دریافت کرنے کی کوشش کی۔ انہیں ائمہ فقہاء کہا جاتا ہے۔ لیکن امت کی مزید بدقسمتی کہ ان ائمہ کرامؒ سے متاثر ہونے والوں نے، ان فقہ جات کو غیر متبدل قرار دیتے ہوئے، ان ائمہء فقہ کے نام پر باضابطہ طور پر الگ الگ فرقے قائم کر لئے اور ان ائمہ کے وضع کردہ قوانین وطرق کی باقاعدہ پیروی شروع کر دی۔ ہر فرقے نے یہ عقیدہ پیدا کر لیا کہ اُس کے امام صاحب کا فقہ قرآن ہی کی طرح مکمل، ابدی، اور غیر متبدل ہے، اب اس میں قیامت تک کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس میں کسی ردوبدل کی کوئی ضرورت ہے۔ اس میں تبدیلی کرنے والا خارج از اسلام قرار پایا۔ اس عقیدے کے مطابق، ہمارے بزرگوں نے جو کچھ ہمیں دیا، وہ ہمارے لئے کافی ہے۔ قرآن کریم میں جو تدبر ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ یہ کام ہمارے بزرگوں نے بطریقِ احسن سرانجام دے دیا، لہٰذا، اب اس فقہ پر آنکھیں بند کر کے عمل کئے جانے ہی میں ہماری فلاح اور نجات ہے۔۔ ہمیں نئے سرے سے، اپنے حالات کے مطابق، قرآن کریم میں غور کرنے کی ضرورت نہیں (بلکہ ایسا کرنا گناہ ہے)۔۔ جو کچھ ہمارے بزرگوں نے قوانینِ معاشرہ کی صورت میں ہمیں دیا، ہمیں ہر حال میں اسی کے مطابق چلنا ہے اور اسے اپنے حالات پر منطبق (بلکہ حالات کو اس پر منطبق) کرنا ہے۔ یوں، ہر شخص اپنے فقہ کا پرستار بن گیا۔ ہر فرقہ کی نماز

اس فرقہ کے بانی کے نام سے منسوب ہوگئی۔ اور نماز اس طرح ادا ہونے لگی جیسے اس فرقہ کے بانی نے بتائی۔ اسی طرح ہر فرقہ کی مساجد بھی ایک دوسرے سے الگ الگ بن گئیں۔ چونکہ دین دنیا سے علیٰحدہ ہو چکا تھا، لہٰذا، یہ فقہ جات اپنے طور پر، آزادانہ، حکومتِ وقت کو پریشان کئے بغیر، پروان چڑھتے رہے۔ اور مسلمانوں کی حکومتوں نے بھی، مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کی۔۔۔ لہٰذا، صدیوں سے یہ فقہ جات مختلف فرقوں کے ''پرائیویٹ لاز'' کے طور پر موجود ہیں۔ قرآن کریم کا نام تو اب صرف رسماً وتبرّکاً استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ مذہب کے طور پر تو یہی فقہ جات ہی ہیں جن پر عمل کیا جا رہا ہے۔ اب تو ایک اسلامی حکومت کا (غیر قرآنی) تصور بھی یہی ہے کہ اُس میں کوئی نہ کوئی مروّجہ فقہ رائج ہو۔۔ ہر فرقہ صرف اسی صورت میں کسی حکومت کو ''اسلامی حکومت'' تسلیم کرنے پر راضی ہوتا ہے جب وہ حکومت اعلان کرے کہ وہ اُس فرقے کا فقہ نافذ کر رہی ہے۔۔ وہ فرقہ، کسی دوسرے فقہ والی حکومت کو ''اسلامی حکومت'' ماننے پر تیار نہیں ہوتا۔۔ ان فقہ جات کی موجودگی میں، دنیا میں، کسی بھی جگہ ''اسلامی حکومت'' قائم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک فقہ کا پیروکار، دوسرے فقہ جات کے پیروکاروں کو مسلمان ماننے پر مشکل ہی سے تیار ہوتا ہے۔ لہٰذا، ایک فقہ کے ماننے والے جب اپنے فقہ کے مطابق حکومت قائم (یا قانون سازی) کرنا چاہتے ہیں تو دوسرے فقہ والے لامحالہ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اسی لئے مولانا مودودیؒ نے اعلان کر دیا تھا کہ:۔۔۔ ''اگر مسلمانوں کی ایک متحدہ اسلامی ریاست قائم ہونے کے لئے یہ شرط قرار دے دی جائے کہ ملک میں جتنے مختلف مسلکوں کے مسلمان موجود ہیں وہ سب کسی ایک مسلک پر متفق ہو جائیں تو یہ شرط نہ کبھی پوری ہوگی نہ اس شرط کے ساتھ دنیا میں کوئی اسلامی ریاست قائم ہو سکے گی۔۔۔۔۔ ''کتاب وسنت'' کی کوئی ایسی تعبیر ممکن نہیں جو پبلک لاء کے معاملے میں حنفیوں، شیعوں اور اہلِ حدیث کے درمیان متفق علیہ ہو۔'' (ایشیاء۔ ۲۳۔ اگست ۱۹۷۰ء۔۔ بحوالہ شاہکارِ رسالت۔۔ باب سیاسی نظام)۔

اختلافِ فقہ کی بناء پر الگ فرقہ:۔ مولانا مودودیؒ کے اس اعتراف واعلان سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ مسلمانوں کے مختلف مسالک اور فرقوں کا وجود مٹانا ممکن نہیں ہے لہٰذا، فرقوں کے وجود کو قبول کرنا پڑے گا۔ مگر کیا فرقوں کے وجود کو صحیح مان لینا اور فرقوں کا بدستور برقرار رہنا قرآن کے خلاف نہیں ہے، اور کیا ایسی صورتِ حال (مسلمانوں کے اندر) سیکولرازم کی ایک قسم قرار نہیں پاتی؟۔ فرقے ایک دوسرے سے اختلاف کی بناء پر وجود میں آتے ہیں۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ اختلافات مٹاتا ہے (۴۲/۱۰۔ ۲/۲۱۳۔ ۲۷/۷۶)۔ اختلافات مٹانے کے لئے اُس چیز پر اتفاق کیا جا سکتا ہے جو سب کے درمیان مشترک (Common) ہو (۳/۶۴)۔ کیا قرآن سب مسالک اور فرقوں کے درمیان مشترک اور متفق علیہ نہیں ہے؟۔ (مئولف)۔

☆.....☆.....☆

اصول اور ان کی جزئیات:۔ پرویز صاحب ''مطالب الفرقان'' کی جلد اول میں ''اصول اور ان کی جزئیات'' کے ذیلی عنوان

کے تحت لکھتے ہیں:۔ ''ایک چیز ہوتی ہے اصول اور دوسری چیز ہوتی ہے اس اصول کو بروئے کار لانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے طور طریقے۔ اصول ہمیشہ غیر متبدل رہتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے طرق و اسالیب میں حالات کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ طبیعی زندگی سے متعلق ایک مثال کی رو سے اسے یوں سمجھئے کہ انسانی زندگی کا مدار غذا پر ہے یہ ناقابل تغیر اصول ہے جو شروع سے آج تک یکساں چلا آرہا ہے۔ لیکن غذا کی نوعیت اور کیفیت بدلتی چلی آئی ہے۔ ابتدائی زمانہ میں غاروں کے رہنے والے انسانوں کی غذا اور تھی اور آج کے انسان کی غذا اور ہے۔'' آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''اگر قاعدہ یہ ٹھہرا لیا جائے کہ غذا میں کسی حالت میں بھی تبدیلی نہیں ہوسکتی تو زندگی دو قدم بھی نہ چل سکے۔ یہی کیفیت ان اصول و اقدار کی ہے جو خدا کی طرف سے انسانی رہنمائی کے لئے ملے ہیں۔ ان اصولوں کو ''الدین'' کہا جاتا ہے جو شروع سے آخر تک یکساں چلا آیا ہے۔ سورۃ الشوریٰ میں ہے :شرع لکم من الدین ماوصیٰ بہ ابرٰھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (۴۲/۱۳)۔ ''تمہارے لئے بھی دین کا وہی راستہ تجویز کیا گیا ہے جس کا حکم نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ کو دیا گیا تھا کہ اس دین کو ہمیشہ برقرار رکھنا اور اس میں کوئی اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ کرنا۔'' یہ ''الدین'' وہ اصول تھے جنہیں شروع سے آخر تک غیر متبدل رکھا گیا تھا۔ لیکن ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے کے طریقوں میں حالات کے مطابق فرق ہوتا رہتا تھا۔ انسانوں کی ابتدائی زندگی میں ان کے علم کی محدودیت کا یہ عالم تھا کہ حضرت نوحؑ کو یہ بھی وحی کے ذریعے سکھایا گیا کہ کشتی کس طرح بنائی جاتی ہے (۱۱/۲۷)۔۔۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں دین پر عمل پیرا ہونے کے چھوٹے چھوٹے قواعد و ضوابط بھی وحی کے ذریعے بتائے جاتے تھے۔ جوں جوں علم انسانی میں وسعت ہوتی جاتی تھی ان جزئیات میں کمی اور تبدیلی کر دی جاتی تھی۔''

اصول و اقدار:۔ طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۷۷ء ص۔۲۲۔ ''ان غیر متبدل اصولوں کو، قرآن کریم نے اقدار (values) سے تعبیر کیا ہے۔ اسی لئے کہا ہے کہ:۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (97:1)۔ ''ہم نے اسے اُس دور میں، جب دنیا آسمانی روشنی سے محروم ہو چکی تھی، نئی اقدار کا حامل بنا کر نازل کیا۔'' غور فرمایئے عزیزانِ من! کہ قرآن کریم نے اس ایک لفظ ''قدر'' میں کتنے عظیم حقائق کی دنیا سمٹا کر رکھ دی ہے۔ حیوان اور انسان میں خطِ امتیاز، اقدار (values) کا تصور ہے۔ حیوان صرف اپنی طبیعی ضروریات کا احساس رکھتے ہیں۔ وہ اقدار (values) کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ یہ انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ طبیعی ضروریات کا بھی احساس کرتا ہے اور اقدار کا تصور رکھنے کے قابل بھی ہے۔ جب کسی معاشرہ میں اقدار کا تصور گُم ہو جائے یا مدھم پڑ جائے تو وہ معاشرہ انسانوں کی بستی نہیں رہتا، حیوانات کا ہجوم بن کر رہ جاتا ہے جہاں صرف جنگل کے قانون کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اپنے احکام کی طرح ان اصول و اقدار کو بھی نہایت واضح اور متعین انداز میں بیان کیا ہے۔ تاکہ اس باب میں کسی قسم کا ابہام و اختلاف نہ رہے۔ انہیں ہر شخص، جو قرآن کی زبان سے واقف ہو، بادنیٰ غور و تدبر، نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔''

شرعی قوانین کیا ہیں؟:۔ طلوعِ اسلام دسمبر ۱۹۷۷ء صفحہ نمبر ۲۲۔ ''جہاں تک قوانین کا تعلق ہے، قرآن کریم نے بجز چند احکام، باقی قوانین کے لئے صرف اصول دیئے ہیں۔ اور اسے ہر دور کی ملتِ اسلامیہ پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے، باہمی مشاورت سے، جزئی قوانین خود مرتب کرے۔ یہ اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے اور ان کی حدود کے اندر مرتب کردہ جزئی قوانین زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہیں گے۔ یہ قوانین اسلامی مملکت کی طرف سے نافذ ہوں گے۔ اسی کو اسلامی فقہ یا شریعت کہا جاتا ہے۔ قرآنی مملکت میں کسی فرد یا افراد کی کسی جماعت کو حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ فقہی قوانین مرتب یا نافذ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں مذہبی پیشوائیت کا تصور ہی نہیں۔ مسلمانوں میں یہ تصور، ان کے دورِ ملوکیت کا پیدا کردہ ہے۔ جب دین نے مذہب کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور مذہب اور سیاست دو الگ الگ شعبے بنا دیئے گئے تھے''۔۔۔ ''اسلامی نظام میں اطاعت، قرآن کریم کے قوانین واصول واقدار کی ہوگی۔ ان قوانین کے نفاذ کے طور طریق اور ان اصول واقدار کی جزئیات، اُمت کے مشورہ سے، اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق متعین کی جائیں گی۔ ایسا کرنے میں، روایات اور فقہ میں جو کچھ قرآن کے خلاف نہیں ہوگا، اس سے بطور نظائر مدد لی جائے گی۔ ان کی حیثیت غیر متبدل، ابدی قوانین کی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالےٰ نے، لاتبدیل، (غیر متبدل) صرف کلمات اللہ کو قرار دیا ہے۔ خود خلافتِ راشدہ کے زمانے میں حضور ﷺ کے عہد کے کئی ایک احکام میں تبدیلیاں بھی کی گئیں اور نئے احکام کا اضافہ بھی۔ (تفصیل اس کی میری کتاب ''شاہکارِ رسالت'' میں ملے گی)۔ ایسا ہی ہر نظامِ خداوندی میں ہوگا۔ جو امور (قرآنی حدود کے اندر رہتے ہوئے) اُمت کے باہمی مشورہ سے طے ہوں گے، ان میں، کسی بعد کی حکومت میں تو ایک طرف، خود اسی حکومت کے دوران، بہ تقاضائے حالات، ردوبدل اور حک واضافہ کا امکان ہوگا۔ اس طرح جو قوانین واحکام قرآنی حکومت کی طرف سے نافذ ہوں گے، اسلامی یا شرعی قوانین کہلائیں گے۔ حکومت کے سوا کسی کو اس کا حق حاصل نہیں ہوگا کہ کسی بات کو اسلامی یا غیر اسلامی قرار دے دے۔''

جزئیات کا تعین:۔ طلوعِ اسلام جون ۱۹۷۵ء ص۔ ۳۷۔ فرقہ اہلِ قرآن کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ ''جب تمام کی تمام جزئیات قرآن کے اندر نہیں دی گئیں تو باقی ماندہ (قابلِ تغیر) جزئیات کا تعین کس طرح کیا جائے گا اور کون ایسا کرنے کا مجاز ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ان جزئیات کی ضرورت کسی ایک زمانے میں بھی لاحق ہوگی اور پھر زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ان میں تغیر وتبدل کی ضرورت بھی لاحق ہوتی رہے گی، اس کے لئے کیا کیا جائے؟۔ اس کا جواب خود خدا نے دے دیا (اور اُسے ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا)۔ اس نے کہا کہ دینِ خداوندی (اسلام) ایک نظام کی شکل میں کارفرما ہوگا۔ اسے دورِ حاضرہ کی اصطلاح میں مملکت یا نظامِ حکومت کہا جائے گا۔ اس نظام کا انداز مشاورتی ہوگا اور ان جزئیات کا تعین یا ان میں تغیر وتبدل اس نظام کی طرف سے ہوگا۔ اس نظام کے اوّلین سربراہ خود نبی اکرم ﷺ تھے۔ چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا کہ۔۔ شاورھم فی الامر (۳/۱۵۸)۔ یہ امور باہمی مشورہ سے طے کیا کرو۔ چنانچہ عہدِ رسالتمآب ﷺ میں ان جزئیات کا تعین اسی طریق سے ہوتا رہا۔۔ واضح رہے کہ مقصود

بالذات تو دین کے اصولوں پر عمل پیرا رہنا یا انہیں نافذ کرنا تھا۔ یہ جزئیات ان اصولوں کی تنفیذ کا ذریعہ تھیں۔ اس لئے یہ نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ جزئیات ان اصولوں سے کسی طرح بھی ٹکرائیں۔ بالفاظِ دیگر یوں کہئے کہ یہ جزئیات قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے باہمی مشاورت سے طے پاتی تھیں۔

یہ نظام جاری رہے گا:۔ یہ کچھ تو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہوتا رہا۔ اس کے بعد سوال یہ سامنے آتا ہے کہ حضور ﷺ کی دنیا سے تشریف براری کے بعد کیا طریق اختیار کرنا مقصود تھا۔ اس کے لئے بھی قرآن کریم میں واضح راہنمائی دے دی گئی جب کہا گیا کہ: **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۗىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ** (3:144)۔ ''محمد بجز ایں نیست کہ خدا کا ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ سو، اگر یہ (کل کو) وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم (یہ سمجھ کر کہ دین کا نظام تو حضور ﷺ کی ذات سے وابستہ تھا، وہ نہیں رہے تو نظام بھی ختم ہو گیا) پھر اپنے قدیم مسلک کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ جو ایسا کرے گا وہ خدا کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا (خود اپنا ہی نقصان کرے گا)۔ لیکن جو اس نظام کی قدردانی کرے گا تو اللہ اسے اس کا بدلہ دے گا''۔ یعنی، یہ بتا یا دیا گیا کہ دین کا یہ نظام رسول اللہ ﷺ کی ذات تک محدود نہیں، یہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی اسی طرح جاری رہے گا۔ اور ان جزئیات کے تعین یا ان میں عندالضرورت تغیر و تبدل کے لئے طریقِ کار بھی وہی اختیار کیا جائے گا جس کا حکم خود رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا۔ یعنی۔ **وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ** (42:38)۔ ''یہ بھی ان امور کو باہمی مشاورت سے طے کریں گے۔'' چنانچہ حضور ﷺ کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور قائم رہا۔ اسے خلافت علےٰ منہاجِ رسالت یا خلافتِ راشدہ کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں دین کی نئی جزئیات کا بھی تعین ہوا۔ اور جن سابقہ جزئیات میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوئی، ان میں تغیر و تبدل بھی کیا گیا۔ اگرچہ اس کی ضرورت بہت کم مواقع پر پیش آئی۔ کیونکہ وہ زمانہ کچھ ایسا لمبا نہیں تھا، چند سالوں پر مشتمل تھا۔''

رسول اللہ ﷺ کی متعین کردہ جزئیات:۔ طلوعِ اسلام فروری ۱۹۸۵ء۔ ص۔۳۵۔ ''قرآن کریم نے ان احکام کی جزئیات کا تعین، جنہیں اس نے اصولی طور پر بیان کیا ہے، اور جن احکام کو بالتصریح بیان کیا ہے، ان کی شرائط و احوال کی تبیین، نظامِ حکومتِ اسلامی پر چھوڑ دی ہے۔ جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ تو ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہے گا، لیکن ان کی تفاصیل و جزئیات، جنہیں حکومتِ قرآنی متعین کرے گی، حالات کے تقاضے کے مطابق، بدلتی رہیں گی۔ اس طرح ثبات و تغیر کے حسین امتزاج سے، کتاب اللہ، تمام نوعِ انسانی کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ضابطہء زندگی بنتی چلی جائے گی۔۔ ان تفاصیل و جزئیات کا تعین سب سے پہلی اسلامی حکومت کے سربراہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔ قرآن کریم میں حضور ﷺ سے ارشاد ہے کہ: **وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ** (3:159)۔ ''امورِ مملکت میں اپنے صحابہؓ سے مشورہ لیا کرو''۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک وحیء خداوندی کا تعلق ہے، اس میں کسی کے مشورہ کا تو ایک

طرف، خود صاحبِ وحی (ﷺ) کے ذاتی خیالات کا بھی کوئی دخل نہیں تھا (۴-۵۳/۳)۔ لہٰذا، مشورہ کا حکم، ان احکامِ خداوندی کی جزئیات و تفاصیل کے متعلق تھا، جنہیں خدا نے اصولی طور پر دیا تھا یا جن کی شرائط و قیود بیان نہیں کی تھیں۔ ان جزئیات و شرائط کو حضور ﷺ نے اپنے زمانے کے تقاضوں اور قومِ مخاطب کے احوال و ظروف کے مطابق، صحابہؓ کے مشورہ سے متعین فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ان جزئیات و شرائط کے متعلق یہ مقصود نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گی۔ اگر انہیں بھی غیر متبدل رکھنا مطلوب ہوتا تو انہیں وحی کے ذریعے، قرآن کے اندر محفوظ کر دیا جاتا۔ یا جس طرح حضور ﷺ نے قرآن کریم مرتب اور محفوظ شکل میں امت کو دیا تھا، اسی طرح اپنے فیصلوں کا مستند اور مصدقہ مجموعہ، محفوظ طور پر امت کو دے جاتے۔ لیکن نہ خدا نے، قرآن کریم میں ان تفاصیل کو بیان کیا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے انہیں محفوظ طور پر امت کو دیا۔ (احادیث کے متعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا طرزِ عمل'' شاہکارِ رسالت'' کے باب چہارم میں بتایا جا چکا ہے) اس سے واضح ہے کہ ان جزئیات کا ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رکھنا نہ منشائے خداوندی تھا، نہ مقصودِ رسالت۔ حضور ﷺ نے اس کے برعکس، ایک ایسا اصول بیان فرمایا جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ امت کے لئے، اپنے زمانے کے اسلامی نظام کے فیصلوں کا اتباع ہی مقصودِ خدا و رسول تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:۔ علیکم بسنّتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (مشکوٰۃ۔ باب۔ الاعتصام بالکتاب والسنۃ)۔ ''تم پر میرے طریقے اور میرے صاحبِ رشد و ہدایت جانشینوں کے طریقے کی پیروی لازم ہے۔'' حضور ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی قرآن کریم میں بیان کردہ اس حقیقت کی تبیین ہے کہ:۔ (مفہوم) محمد ﷺ بجز ایں نیست کہ اللہ کے رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو گزرے ہیں۔ سو، اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم (یہ سمجھ کر کہ دین کا نظام آپ ﷺ کی ذات تک محدود تھا) پھر الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟'' (۳/۱۴۴)۔ بات بالکل واضح ہے کہ دین کا نظام حضور ﷺ کی ذات تک محدود نہیں تھا۔ اسے آپ ﷺ کے بعد بھی بدستور آگے چلنا تھا۔ اس نظام میں جس طرح حضور ﷺ کی زندگی میں، مرکزِ نظام کی اطاعت ''خدا اور رسول کی اطاعت'' تھی، یہی شکل حضور ﷺ کے جانشینوں کے زمانے میں بھی رہے گی۔ اسی نظام کو قرآن کریم نے ''سبیل المومنین'' کہہ کر پکارا ہے۔ یعنی جماعتِ مومنین کا راستہ (۴/۱۱۵)۔۔۔۔

ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ایسا کیوں ہوا، لیکن (عام عقیدہ کے مطابق) خلافتِ راشدہ اوّلین چار خلفاءؓ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اس لئے حضور ﷺ نے جو فرمایا تھا کہ ''تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی لازم ہے۔'' اس کا اب عملی مفہوم، حضور ﷺ کے بعد خلفائے راشدین (چار خلفاء) کی سنت (طریق) لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہ تو حکمِ خداوندی تھا، نہ ارشادِ نبوی ﷺ کہ خلافتِ راشدہ، چار خلفاء تک محدود رہے گی۔ دین کے نظام کا تو ہمیشہ کے لئے جاری رہنا مطلوب تھا۔ یہ اتفاق تھا (اور امت، بلکہ نوعِ انسانی کی بدقسمتی) کہ وہ نظام زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا۔ لیکن اگر وہ قائم رہتا (اور جب تک قائم رہتا) تو اس کی اطاعت ''خلافتِ راشدہ'' کی اطاعت قرار پاتی۔ یعنی امت کے لئے اطاعت اپنے زمانے کے نظامِ اسلامی کی لازم ہوتی، نہ کہ کسی سابقہ زمانے کے نظام کی۔ اور اس کی وجہ حضور ﷺ نے خود ہی یہ کہہ کر بیان فرما دی کہ:۔ الناس اشبہ بزمانھم من اسلافھم (جامع

البیان ولتبین)۔۔آگے چل کر ''تعلیل الاحکام'' کے صفحہ نمبر ۲۸۸ کا حوالہ درج ہے جس میں آیہء وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (21:107) کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ:۔زمانے کے بدلنے سے نئے نئے مصالح پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ایسی حالت میں اگر صرف منصوص ہی کا اعتبار کیا جائے تو لوگ سخت مصیبت میں پھنس جائیں۔یہ بات رحمت کے منافی ہوگی۔'' (جاری ہے)

☆.....☆.....☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہو چکی ہے۔یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	200/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	400/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	300/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	400/-	سورہ القصص	(28)	334	350/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	400/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	350/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	400/-	سورہ روم، لقمان، السجدہ	(30,31,32)	444	400/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب، سبا، فاطر	(33,34,35)	570	400/-
سورہ النحل	(16)	334	300/-	سورہ یٰسین	(36)	164	150/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	----	سورہ الصّٰفّٰت، ص، زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف و سورہ مریم	(18-19)	532	400/-	سورۃ مومن، حٰمٓ سجدہ، سورہ شوریٰ	(40,41,42)	624	550/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	350/-	سورۃ زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمدؐ	(43-44-45 46-47)	520	500/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	300/-	سورۃ الفتح، الحجرات، ق، الذاریات، الطور، النجم	(48-49-50 51-52-53)	550	500/-
سورۃ الحج	(22)	380	350/-	سورۃ القمر، الرحمٰن، واقعہ، الحدید	(54-55 5657)	384	400/-
سورۃ المؤمنون	(23)	408	400/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	400/-
سورۃ النور	(24)	264	350/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	400/-
سورۃ الفرقان	(25)	389	350/-	شرح جاوید نامہ	----	800	1000/-

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25/B، گلبرگ 2، لاہور، فون نمبر: 4546 3571-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

راجہ عبدالعزیز (دھیرکوٹ آزاد کشمیر)

دسویں قسط

متحرک نفسیات

Dynamic Psychology

ڈاکٹر سگمنڈ فرائڈ کی وضع کردہ تحلیل نفسی کی بحث کے دوران ''مونالیزا کی مسکراہٹ'' کا ذکر بظاہر تو ''مشاہدہ حق کی گفتگو'' میں محض ''بادہ وساغر'' کہنے کی بات محسوس ہوگی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر فرائڈ کے اس طریقہ علاج کو مکمل طور پر سمجھنا بہت مشکل ہے۔ فرائڈ کے پیش کردہ اکثر نظریات کی بنیاد طفلی جنسیت (Infantile Sexuality) ہے۔ اس نے دلائل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سن بلوغ کے بہت سے مریضانہ افعال، نیوراتی علامتیں اور الجھنیں (Complexes) وغیرہ دراصل طفلی جنسیت کے دباؤ اور روک ٹوک کا نتیجہ ہوتی ہیں اور بڑی عمر میں ان کا انسداد خاصا مشکل کام ہے۔ فرائڈ نے اپنی بعض تحریروں میں تخلیقی عمل کی بعض صورتوں کو بھی ''جنسیتِ طفلی'' کی ارتقاعی صورتیں قرار دیا ہے۔ یعنی جس دباؤ اور گھٹن کا اظہار عام حالات میں نیوروسس (Neurosis) یا دوسری الجھنوں میں ہوتا ہے، اس کا تخیلی، علامتی اور ارتقاعی صورتوں میں بھی اظہار ہوتا ہے۔ جو تخلیقی فنکاروں کا ایک مخصوص رجحان ہے۔ فرائڈ کی تجربی تحریروں کی زینت وہی منتخب مواد بنتا تھا جو ان نظریات کا مددگار بن سکتا تھا، جو تحلیل نفسی کے نام سے تشکیل دیئے جاتے تھے۔ یہ بات فرائڈ کی اہم تحریر یا مختصر کتاب ''لیونارڈو ڈونچی اور اس کے بچپن کی ایک یاداشت'' (Leonordo da Vonce and a memory of his Child hood) کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ لیونارڈو، مشہور زمانہ آرٹ کے نمونہ مونالیزا کی مسکراہٹ کا خالق ہے۔ لیونارڈو ہمیشہ فرائڈ کے ذہن پر چھایا رہا۔ وہ اسے بہت پسند کرتا تھا۔ فرائڈ اکثر جیکب برٹ ہارٹ کے ایک جملے کا حوالہ دیا کرتا تھا کہ ''لیونارڈو ایک ہمہ جہت نابغہ (genius) تھا ہم جس کے بارے میں بس ایک تاثر رکھتے ہیں، اس کی گہرائی کا اندازہ نہیں کر سکتے''۔ فرائڈ جب لیونارڈو کی مرعوب کن اور حیران کر دینے والی شخصیت کے بارے میں سوچتا تو اسے بے پناہ خوشی حاصل ہوتی۔ فرائڈ نے یہ تحریر لکھنے کے دس برس بعد اپنے ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''یہ واحد خوبصورت تحریر ہے جو میں آج تک لکھ پایا ہوں''۔

اس خوبصورت تحریر کے ذریعے فرائڈ نے نفسیات کے علاوہ ادب و آرٹ کی دنیا میں بھی قدم رکھا تھا اور ادب و آرٹ پر گہرے اثرات چھوڑے۔ ادب و آرٹ کے بارے میں فرائڈ کے خیالات کیا ہیں؟ اور اس نے اپنے خیالات کا اطلاق ادب و آرٹ پر کس طرح کیا ہے؟ فرائڈ کی اس تحریر میں اس کی مثال ملتی ہے۔ اس کتاب میں فرائڈ نے لیونارڈو کی بچپن کی یادداشتوں کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کے بچپن کے جنسی محرکات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے۔ اور اسی جائزے کو بنیاد بنا کر اس کی تحلیل نفسی کی ہے۔ تعجب ہے کہ فرائڈ کی اس تحریر کا حوالہ بہت کم دیا جاتا ہے' حالانکہ تحلیل نفسی کے ادراک میں اس کی نمایاں اہمیت اور حیثیت ہے۔ اسی لئے شہزاد احمد نے نہ صرف اس پر ایک طویل اور مکمل بحث کی ہے بلکہ اس کے دیگر تمام گوشوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ''فرائڈ نے اس مختصر کتاب کو ایک خوبصورت تحریر کہا ہے۔ تحلیل نفسی کے حوالہ سے یہ تو بڑی آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ لیونارڈو اس کے لئے شبیہ پدر کا حوالہ رکھتا تھا' دوسری وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فرائڈ نے خود کو ادب کے بہت قریب پایا تھا' تیسری مگر اہم وجہ شاید یہ ہو کہ اس نے تخلیقی عمل کا مطالعہ بہت قریب سے کرنے کی کوشش کی تھی اور جس شخصیت کے حوالہ سے یہ مطالعہ کیا گیا تھا' اس کے بے شمار رُخ تھے مگر فرائڈ یہ محسوس کرتا تھا کہ وہ اس کے مرکزی نقطے تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے''۔

لیونارڈو اپنے باپ کی ناجائز اولاد تھا۔ لہٰذا فرائڈ نے یہ نتیجہ نکالا کہ بچپن کے آغاز میں وہ اپنی ماں کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے ایک دھتکاری ہوئی ماں کی تمام محبت اور شفقت اسی کے حصے میں آ گئی تھی۔ اس بے پناہ محبت نے اس کی زندگی پر کیا اثر اندازی کی ہو گی' فرائڈ کے مطابق اس کا اندازہ بہت آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کی باطنی زندگی کے لئے انتہائی فیصلہ کن تھا۔ فرائڈ کی تحلیل نفسی میں یہ ایک مانا ہوا اصول ہے کہ زندگی کے پہلے سال کے جذباتی لگاؤ کا تعلق بلوغت کے جذباتی لگاؤ سے اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ اس سے مفر ممکن نہیں ہوتا۔ بہر کیف لیونارڈو کی پیدائش کے کچھ عرصہ بعد اس کے باپ نے شادی کر لی تھی اور لیونارڈو کو گھر میں لا کر اپنا لے پالک بنا لیا تھا۔ اس کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے باپ نے دوسری شادی بھی کر لی۔'' چنانچہ کم از کم دو ماؤں نے اس کی پرورش کی' 1500ء کے فوری بعد جب اس نے اپنی شہکار تصویر مونالیزا پینٹ (Paint) کی تو اس کی پر معنی دھیمی مسکراہٹ' اسے اپنی دو نوجوان محبت کرنے والی ماؤں کی واضح طور پر یاد دلاتی تھی۔ ان دونوں ماؤں نے مل کر اس کی بچپن کی زندگی کو مہربانیوں سے معمور کر دیا تھا۔ وہ تخلیقی شعلہ جو آرٹ کو تجربے اور یاداشت کے مابین جھولنے کی سی کیفیت رکھتا ہے' اس نے لیونارڈو کو مسحور کر دینے والا اور اکسانے والا مونالیزا کا غیر فانی شاہکار عطا کیا تھا۔ اس میں اس نے اپنی دونوں ماؤں کو جیسی کہ اس

کی یادداشت میں محفوظ تھیں پینٹ کر دیا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی عمر کی تھیں اور ان کے چہروں پر ایک ہی طرح کی ناقابل بیان مسکراہٹ کھیل رہی تھی''۔

فرائڈ نے اس سلسلے میں جس مرکزی نقطے کا سراغ لگانے یا جس دھاگے کا سرا پکڑنے کا دعویٰ کیا تھا' شہزاد احمد کے مطابق اس کی روئیداد کچھ یوں ہے کہ فرائڈ نے جب لیونارڈو سے متعلق مواد کا جائزہ لینا شروع کیا تو خوش قسمتی سے اسے ایک نقطہ مل گیا جس کی مدد سے وہ تحلیل نفسی کے سارے معاملے کو بیان کر سکتا تھا۔ وہ نقطہ لیونارڈو کی ضخیم نوٹ بک میں موجود تھا۔ اس کی نوٹ بک بھی عجیب شے تھی۔ اس میں بہت سے خاکے (Caricatures) تھے' سائنسی تجربات تھے' ہتھیاروں کے ڈیزائن تھے' فصیل بندی کے طریقے تھے' اخلاقیات اور اساطیر پر موشگافیاں تھیں اور حساب کتاب کے کھاتے اور تخمینے وغیرہ بھی تھے۔ لیونارڈو نے اس میں صرف ایک بار ہی بچپن کا ذکر کیا تھا وہ بھی اس وقت جب وہ پرندوں کی پرواز پر جگالی کر رہا تھا۔ بس فرائڈ نے اس نایاب تحریر کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ فرائڈ نے لیونارڈو کی زبان میں اسے یوں بیان کیا ہے۔ ''مجھے یوں لگتا ہے کہ آغاز سے ہی میرا یہ مقدر تھا کہ گدھ کے بارے میں سوچتا رہوں' یہ میرے ذہن میں ایک ابتدائی یادداشت کے طور پر آئی تھی' جب میں پنگوڑے میں تھا۔ ایک گدھ اڑ کر میرے پاس آئی تھی' اس نے اپنی دُم سے میرا منہ کھولا تھا اور پھر اپنی دُم کو کئی بار میرے دہن پر مارا تھا''۔ فرائڈ تسلیم کرتا تھا کہ ایسا واقعہ ہوا نہیں تھا بلکہ محض ایک من موجی خیال (Fantasy) تھا' مگر اس نے پرندوں کے بارے میں اپنے علم و فضل کو خوب استعمال کیا خاص کر اس کیفیت کے بارے میں جو لیونارڈو پر پنگوڑے میں گزرے گی۔

قدیم مصر کی تصویر نگاری (Heirogalaphy) میں گدھ ماں کی علامت تھی۔ جو کچھ عیسائیت میں اس کے بارے میں تھا وہ بھی فرائڈ کے سامنے تھا۔ عیسائیت کی اساطیر میں گدھ ہمیشہ مادہ ہی ہوتی ہے نر کبھی نہیں ہوتی۔ یہ کنواری پیدائش کے لئے ایک شاعرانہ علامت ہے' کیونکہ اس دیومالا کے تحت گدھ کو ہوا حاملہ کرتی ہے۔ قرون وسطیٰ میں عیسائی پادری یہ سوال اٹھایا کرتے تھے کہ گدھ کا نر ہوتا ہی نہیں تو وہ حاملہ کیسے ہو جاتی ہے اور خود ہی اس کا جواب دیتے تھے کہ ایک خاص وقت میں اڑتے ہوئے وہ اپنے رحم کا منہ کھولتی ہے اور ہوا اسے حاملہ کر دیتی ہے۔ ان کا استدلال تھا کہ گدھ کے ساتھ تو یہ واقعہ ہمیشہ ہوتا ہے تو ایک بار انسان کے ساتھ کیوں نہیں پیش آ سکتا؟ پیدائش کے لحاظ سے لیونارڈو کو گدھ بچہ (Vulture Child) بھی کہا جاتا ہے' یعنی اس کی ماں تھی باپ نہیں تھا۔ فرائڈ تحلیل نفسی کے عمل میں آزاد تلازمہ کے ذریعے مریض کے بچپن کی کوئی ایسی ہی یادداشت کو بنیاد بناتا ہے۔ فرائڈ کی یہ تھیوری کچھ عرصے تک نہ صرف قائم رہی بلکہ اس کی اہمیت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ مگر اس تحریر کے تیرہ سال بعد 1923ء میں

اچانک فرائڈ ایک المیے کا شکار ہوگیا۔ ہوایوں کہ لیونارڈو کی نوٹ بک کا ترجمہ جب اٹالین زبان سے جرمن زبان میں ہوا تھا تو غلطی سے اطالوی لفظ 'Nebbio' کا ترجمہ گدھ یعنی 'Vulture' کردیا گیا تھا' حالانکہ اصل میں اس کا ترجمہ چیل یعنی "Kite" ہونا چاہئے تھا۔ مگر اس غلطی کی نشاندہی جو 1923ء میں ہوئی تھی' کے باوجود نہ فرائڈ نے اس کا کوئی نوٹس لیا اور نہ اس کی زندگی میں کسی ماہر تحلیل نفسی نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا۔ فرائڈ کے لئے اس غلطی کو تسلیم کرنا بہت مشکل تھا کیونکہ گدھ کے ساتھ جو اساطیری (Myth) مواد متعلق ہے' وہ چیل کے ساتھ متعلق نہیں۔ فرائڈ لیونارڈو کے بارے میں اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ ''اس نے بڑے زور وشور کے ساتھ اپنے جنسی جذبے کا ترفع (Sublimation) کیا تھا اور اس نے اس آزاد وحشی کو تحقیق پر لگا دیا تھا''۔ آخر میں تحلیل نفسی کے طریقہ کار پر ایک طنز کا ذکر کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا جو کولن ولسن نے اپنی کتاب 'The Origin of the Sexual Impulse' میں فرائڈ اور دیگر ماہرین تحلیل نفسی پر ایک اعتراض کی صورت میں کیا ہے' کہ وہ اپنا تجربہ کرتے وقت شخصیت کی اعلیٰ سطحوں کی بجائے نچلی سطحوں کو بیان کرنا شروع کردیتے ہیں' نفسیات دان کے کمرے میں داخل ہونے والا شخص' لیونارڈو ڈونچی ہوتا ہے' ایک عظیم فنکار' سائنس دان اور خدا جانے کیا کیا کچھ۔ مگر جب وہ اس کمرے سے باہر نکلتا ہے تو اس کی حیثیت محض ایک بچے کی سی ہوتی ہے' جو پنگوڑے میں پڑا ہے اور گدھ اپنی دُم سے اس کا منہ کھول کر اسے تھپک رہی ہوتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ بقول شہزاد احمد فرائڈ نے ایک کوٹ تیار کرلیا تھا' بچپن کی جنسیات کا ایک کوٹ' پھر وہ اس تلاش میں تھا کہ وہ کسی بڑی شخصیت کو پورا آجائے' لیونارڈو پر یہ استعمال شدہ کوٹ ایسا فٹ آیا کہ فرائڈ کو اس کی آستینیں بھی درست نہ کرنی پڑیں۔

ڈاکٹر فرائڈ نے انسانی ذہن کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے (1) شعور (Conscious) اس وقت آپ جن باتوں سے آگاہ ہیں' انہیں شعور کہا جاتا ہے۔ شعوری سطح انسان کے حافظے میں محفوظ مواد ہوتا ہے۔ جو فرد کے ادراک کے دائرے میں آسکتا ہے۔ فرد اپنے شعوری عمل کے لئے اسی سطح سے رجوع کرتا ہے۔ شعوری سطح منطق فکر کی حامل ہوتی ہے۔ یعنی مسائل پر سوچنا' دلائل دینا' اشیاء اور مظاہر کی ماہیت کے بارے غور وفکر کرنا' اپنے مسائل کا حل تلاش کرنا اور ارادی واختیاری طور پر عمل کرنا وغیرہ شعور کا حصہ ہے۔ وہ تمام افعال وافکار اور ہمارے حافظے میں محفوظ وہ سب خیالات شعوری ذہن کی کارکردگی کا حصہ ہیں جن کی طرف ہم سوچ سمجھ کر مائل ہوتے ہیں۔ فرد کے شعوری ذہن اور اس کے ماحول میں عمل اور ردِعمل کا ایک اٹوٹ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یہ ذہن کا وہی حصہ ہے جس پر افراد کو دسترس حاصل ہوتی ہے' اور جس کی کارکردگی سے افراد پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر ساجدہ کے نزدیک لاشعور کے مقابلے میں شعوری ذہن کی وہی حیثیت ہے جو آئس برگ کے اس حصے کی جو سطحِ آب سے اوپر ہوتا ہے۔ آئس

برگ کا زیادہ حصہ زیرِ آب ہوتا ہے جو لاشعوری سطح کے مترادف ہوتا ہے۔ (2) ذہن کی دوسری سطح تحت الشعور (Sub-conscious mind) ہے۔ یہ شعور اور لاشعور کی درمیانی سطح ہے۔ یہ وہ چینل ہے جہاں ہمارے بعض لاشعوری خیالات شعوری سطح پر ابھر آتے ہیں۔ یعنی تحت الشعور، شعور کا زیریں حصہ ہے۔ اور لاشعور کا بالائی حصہ ہے۔ اس سطح پر اکثر ہمارے لاشعوری خیالات حافظے کی زیریں سطح سے اس کی بالائی سطح تک پہنچ کر شعور کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ بعض ماہرین نفسیات مثلاً 'Cubie' اور 'Hearid Rugg' کے خیال میں شعور اور لاشعور کے دو سروں (Ends) کو جوڑنے والا یہ چینل سب سے زیادہ ''آزاد'' ہوتا ہے اور تخلیقی خیالات کا بیج یہیں سے پھوٹتا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے بے توجہی کے لمحات میں بھی یہ فعال رہتا ہے۔ بعض ماہرین اسے ''پیش شعور'' بھی کہتے ہیں۔ ڈاکٹر ساجدہ کے مطابق ''جو تجربات لاشعور کے نہاں خانے میں ''دفن'' نہیں ہوتے اور پیش شعور میں ہوتے یا وہاں تک آنے پر قادر ہوتے ہیں وہ ایک ارتقائی عمل کے ذریعے علامتی صورتوں میں اپنا اظہار کرتے ہیں اور تخلیق کا سرچشمہ بنتے ہیں۔ کیونکہ وجدان کوئی بیرونی طاقت نہیں بلکہ اپنے ہی وجودی تجربات کے بطن سے جنم لیتا ہے اور بہت سے خیالات اور تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اور کیونکہ اس کی شکل بدلی ہوئی ہوتی ہے اور اس میں زیادہ گہرائی و گیرائی ہوتی ہے، اس لئے فنکار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وجدان اس کی فکر کا حصہ نہیں۔ اسی لئے غالب کہتے ہیں: ''آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں''۔

ڈاکٹر فرائڈ کی اعلیٰ ترین دریافت لاشعور (Unconscious) تھی۔ اس دریافت سے مروج سائنسی رویوں کا انکار ہوتا ہے۔ جس طرح مکان (Space) کی تین ابعاد (Three dimensions) کے ساتھ آئن سٹائن نے زماں (Time) کو متعلق کر کے ایک ایسی چیز تخلیق کر دی تھی جو بے حد چونکا دینے والی تھی، اسی طرح فرائڈ نے شعور کے نیچے تحت الشعور اور لاشعور کو دریافت کر کے امریکہ سے بھی بڑا براعظم دریافت کر لیا تھا۔ اس کے مقابلے میں شعور کی حیثیت محض ظاہر کی تھی، اب مقابلے میں باطن اس قدر وسیع تھا کہ بقول شہزاد احمد شعور تو محض دو ابعادی ہی محسوس ہوتا تھا، گہرائی کا تعلق تو لاشعور کے ساتھ تھا۔ پھر لاشعور اور شعور کے زماں میں کوئی باہمی مماثلت نہیں تھی، لاشعور میں مکاں اور زماں اس بری طرح گڈمڈ ہو گئے تھے کہ ان کی پہچان مشکل ہو گئی تھی۔ فرائڈ نے زماں کے لحاظ سے لاشعور کی مثال روم کے شہر سے دی تھی، جس میں چار ہزار سال پرانی، درمیانی عہد کی اور جدید ترین عمارتیں ایک ساتھ بیک وقت موجود ہیں۔ شہزاد احمد فرائڈ کے اس نقطہ نظر کو نہ صرف جدید طبعیات کے کوانٹم نظریے کے قریب سمجھتے ہیں بلکہ اس نظریے کو صوفیاء کی واردات (Experience) سے بھی جوڑتے ہیں، جہاں زماں و مکاں کی ہماری

بنائی ہوئی حدود وقیود ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور زمان کی میکانکی حیثیت ختم ہوجاتی ہے۔ فرائڈ ہمہ وقت اپنی نفسیات کے لئے حیاتیاتی بنیادوں کی تلاش میں رہتا تھا اور ایک سائنسدان کی حیثیت سے اپنی پہچان برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ مگر وہ اس معاملے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوسکا' کیونکہ بقول شہزاد احمد اس کی دریافتیں ایک دوسرا رخ اور پہلو بھی رکھتی ہیں۔ اور وہ پہلو معلوم کی بجائے نامعلوم کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ لاشعور کی دریافت کے بعد علومِ مخفیہ کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں۔ فرائڈ ایسا نہیں چاہتا تھا مگر ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ اسی لئے ژونگ نے جو اس سلسلے میں کھلے دل ودماغ کا مالک تھا' اسے تسلیم کیا ہے اور اس نے ہمہ وقتیت (Synchroncity) کا نظریہ بھی متعارف کرایا تھا۔

ایک جدید سائنسدان کی حیثیت سے فرائڈ ایک دوشاخہ پن (Dichotomy) کا شکار تھا ایک طرف تو اس کی خواہش تھی کہ وہ انسان کو جدید سائنس کی اصطلاحوں میں بیان کرے اور نفسیات کو علم حیات (Biology) کا ایک ضروری جزو بنا دیا جائے مگر اس کے ساتھ ہی یہ خواہش بھی تھی کہ وہ انسان کے اندر چھپے ہوئے نادر یافت کو بھی بیان کرے' چنانچہ اس سلسلے میں حدود قائم کرنے کی کوشش کے دوران کبھی تو اس کا استدلال خالص سائنسدانوں جیسا ہوتا تھا اور وہ نفسیات کو جدید علوم کی قطار میں دیکھنا چاہتا تھا' مگر دوسری طرف وہ ان امکانات کو بھی نظر میں رکھے ہوئے تھا جو عام طور پر غیر متعلق سمجھ کر فراموش کر دیئے جاتے ہیں۔ فرائڈ کی وجہ سے نفسیات میں جو سب سے بڑی تبدیلی آئی تھی وہ نفسیات کا جدید خطوط پر استوار ہونا نہیں تھا' بلکہ تحلیل نفسی تو بنیادی طور پر اس رویے ہی کے خلاف تھی کہ انسان کو محض شماریات کے حوالے سے دیکھا جائے۔ شہزاد احمد کے مطابق فرائڈ بظاہر تو علم مخفیہ (Occult) کے وجود سے انکار کرتا تھا لیکن چند برس پہلے کچھ ایسی دستاویزات دریافت ہوئی ہیں جن سے انکشاف ہوا ہے کہ 1919ء میں فرائڈ ٹیلی پیتھی پر ایمان لے آیا تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے فرائڈ کے بیان کردہ چار واقعات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ ان کے نزدیک آکلٹ کا معاملہ یہودیوں کے لئے کوئی اجنبی مسئلہ نہیں ہے۔ ان کے ہاں سریت (Esoterism) کی کئی صورتیں ہیں۔ لہٰذا ایک یہودی ہونے کے ناطے وہ سریت سے انکار نہیں کرسکتا تھا' مگر سائنسدان ہونے کی حیثیت سے اسے قبول کرنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا لاشعور کی دریافت ایک درمیانی راہ تھی جو اس صورت حال میں نکالی جاسکتی تھی۔ شہزاد احمد کے مطابق ''لاشعور کے ڈانڈے علوم مخفیہ سے جا ملتے تھے۔ لاشعور اور علم مخفیہ میں کوئی رشتہ ایسا موجود ہے' جس کو ہم نہ پوری طرح سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی کلی طور پر اس سے انکار کرسکتے ہیں۔ چنانچہ جس شے کو 'نفسیاتِ عمیق (Depth Psychology) کہا جاتا ہے وہ نفسیات کے ان شعبوں سے بالکل مختلف ہے جن کو اطلاقی (Applied)' تعلیمی' اور تجرباتی نفسیات یا ان جیسا کوئی

اورنام دیا گیا ہے۔ عملی نفسیات کی جس قدر بھی قسمیں ہیں، وہ انسان کے ایسے عوامل کو بیان کرنے کی کوشش ہیں، جو ظاہری عوامل ہیں اور جن کا تعلق روزمرہ کی عمومی زندگی یا پیشہ وارانہ زندگی سے ہے، مگر انسان اپنے طور پر ایک جہان بھی ہے، کہتے ہیں جتنی کائنات ہمارے باہر ہے شاید اس سے کہیں بڑی کائنات ہمارے اندر بھی ہے''۔ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (51:20-21)۔

''جب فرائڈ نے لاشعور دریافت کیا تھا، تو یہ ایسا انکشاف تھا جو مروج سائنسی رویے کے لئے قابل قبول نہیں تھا، سائنسدان انسان کو اسی طرح سمجھنا چاہتے تھے، جیسے گھڑی یا ریل کے انجن کو سمجھا جاتا ہے۔ مگر لاشعور ان کو مجبور کرتا تھا کہ انسان کا مطالعہ خالص انسانی نقطہ نظر بلکہ انسانیت کے نقطہ فکر سے کیا جائے۔ یہ لاشعور ہی تھا جس کی وجہ سے انسان کے اندر ایک ایسی گہرائی دریافت کر لی گئی تھی، جس کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ''نامعلوم'' ''معلوم'' سے کہیں بڑا ہو گیا تھا۔ تحلیلِ نفسی کا مکتبِ فکر اب اس علاقے میں داخل ہونے لگا تھا جو گمشدہ تھا۔ چنانچہ یہ ایک طرف تو گمشدہ کی بازیافت تھی، مگر دوسری طرف یہ امکان بھی تھا کہ گمشدہ پوری طرح کبھی دریافت نہ ہو سکے مگر اس کی اثر پذیری بدستور قائم رہے''۔ عمیق نفسیات کے ذریعے ایک ایسی ہستی کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو موجودہ شکل میں کوئی تیس لاکھ سال سے موجود ہے۔ (یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ عزیز) ''مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ مطالعے کا موضوع ہونے کے ساتھ ساتھ خود مطالعہ کرنے والی شخصیت بھی ہے''۔

لاشعور کی دریافت کے بعد ایک اہم سوال سامنے آیا کہ لاشعوری محرکات آخر کار لاشعوری بنتے کیوں ہیں؟ کوئی قوت تو ایسی ہوگی جو اس کی مزاحمت کرتی ہو، اگر کوئی قوت ایسی ہے جو انہیں شعور تک نہیں آنے دیتی تو کیا کوئی قوت ایسی نہیں جو انہیں لاشعور بننے میں رکاوٹ بنتی ہو؟ اس کا جواب فرائڈ کا ابطان یا احتباس (Repression) کا نظریہ ہے۔ زندگی میں انگیزشیں (Drives) بنیادی طور پر غیر مرتب اور لاشعوری ہوتی ہیں، مگر وہ اپنی صورت گری بیرونی اشیاء کے ساتھ خود کو متعلق کر کے کرتی ہیں۔ وہ اشیاء کبھی تو کسی شخص کی آرزو بن جاتی ہیں یا وہ ان سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے یا یہ دونوں جذبے ایک ہی شے کے بارے میں بیک وقت موجود ہوتے ہیں۔ اگر یہ خواہشات قابل قبول نہ ہوں تو پھر ان کے لئے دو ہی راستے کھلے ہوتے ہیں، یا تو انہیں شعوری طور پر رد کر کے انہیں مردہ بنا دیا جائے، یا پھر ان کو سفاکی کے ساتھ لاشعور میں پھینک دیا جائے، جہاں ان کی انگیزش تو زندہ رہے مگر ان کو شعوری یاداشت میں واپس نہ لایا جائے۔ جو قوت ان کو واپس شعور میں جانے سے روکتی ہے، فرائڈ نے اسے ابطان کہا ہے۔ اسی طرح کسی خاص دوست کے خلاف اگر ہمارے ذہن میں حریفانہ عزائم پیدا ہو جائیں تو ہم دوست کے خلاف

پیدا ہونے والے ان منفی اور مخالفانہ جذبات کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ سارا الزام دوست پر لگا کر اپنے احساسِ گناہ کو ان جذبات میں تبدیل کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ زیادتی تو خود ہم سے کی گئی ہے۔ ایسی مدافعتی میکانیت (Defence Mechanism) ہماری شعوری انا بناتی ہے مگر وہ خاصی ڈھکی چھپی ہوتی ہے۔ اسے انعکاس (Projection) کہا جاتا ہے۔ فرائڈ نے ایسی خواہشات کو قابل قبول بنانے کے لئے ایک اور اصطلاح محتسب (Ombudsman) کی بھی وضع کی ہے۔ سلیم اختر نے اسے یوں بیان کیا ہے۔ ''ناآسودہ خواہشات شعور کی معطّلی یا حالتِ استراحت میں اپنی آسودگی کے لئے سمجھتی ہیں کہ اب راستہ صاف ہے۔ لیکن یہاں محتسب کا دروازہ آڑے آتا ہے۔ یہ ان خواہشوں کے انبوہ پر کڑی نظر رکھتا ہے اور انہیں کھلا کھیل کھیلنے کی اجازت نہیں دیتا۔ البتہ انہیں توڑ موڑ کر ایسی سیدھی سادی بات بنا دیتا ہے کہ وہ بے ضرر معلوم ہوں''۔ بااین ہمہ فرائڈ کے نزدیک یہ تمام میکانیات شعوری اعمال نہیں ہوتے۔ یہ سب کچھ لاشعوری سطح پر ہوتا ہے اور اس عمل کا اطلاق مزاحمت اور ابطان پر ہوتا ہے۔ شعوری 'Ego' لاشعوری طور پر مزاحمت کرتا ہے اور لاشعوری طور پر انعکاس کرتا ہے اور لاشعوری طور پر ہی ردِعمل ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ فرائڈ نے ایگو کے معنی شعوری اور لاشعوری سطح پر مقرر کرنے کی کوشش کی ہے۔

لاشعور کی دریافت سے قبل' انسانی ذہن تقریباً شعور کے مترادف سمجھا جاتا تھا اور یہ خیال عام تھا کہ ہمارا شعوری ذہن ہی ہماری نفسیات کی کل پونجی ہے۔ البتہ پروفیسر ساجدہ کے مطابق 'ادب' نے فرائڈ سے پہلے ہی لاشعوری ذہن اور محرکات کا تھوڑا بہت ادراک کر لیا تھا جس کی اعلیٰ ترین مثال روسی ادیب دستیووسکی (Desteovsky) کے بیشتر ناول مثلاً جرم وسزا۔ ایڈیٹ۔ اور برادران کرامو زوف مخصوص اہمیت کے حامل ہیں۔ علاوہ ازیں نفسیات داں حلقے میں بھی لاشعور کی طرف مبہم سے تصورات پائے جاتے تھے۔ مثلاً فرانز برونٹانو م 1917ء (Franz Brontano) کی کتاب (Psychology from the emprical stand point) جس کے مطالعے کے بعد خود فرائڈ لاشعور کے خیال سے آشنا ہوا' اس کتاب میں اس طرف اشارات ملتے ہیں کہ بھولے بسرے خیالات اور یادداشتیں کسی پوشیدہ ذخیرے سے اچانک نکل کر سطح پر آ جاتی ہیں۔ تاہم پروفیسر صاحبہ کے مطابق ادب کی حد تک لاشعور کا صرف ادراک تھا اس کا باضابطہ تصور قائم نہیں ہوا تھا اور دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ نفسیات کے دائرہ کار میں لاشعور کی دریافت میں فرائڈ کا کوئی پیش رو نہیں گذرا اور شخصیتِ انسانی کی اس عمیق سطح کی دریافت اور اس کا باقاعدہ تجزیہ فرائڈ ہی کا کارنامہ ہے''۔

ہماری زندگی میں ہزاروں بھولے بسرے واقعات' گذرے ہوئے تجربات ومشاہدات کا ایک لامحدود خزانہ ہوتا ہے۔ یہ

خزانہ ہمارے لاشعور کا حصہ ہوتا ہے جس پر ہمیں دسترس حاصل نہیں ہوتی۔ اس اعتبار سے لاشعور، شعور کی ضد ہوتا ہے۔ انسان عہد طفولیت سے عنفوانِ شباب تک، پھر زندگی کے ہر حصے میں عہد ضعیفی تک ہزار تجربات سے گذرتا ہے، بے شمار واقعات سے دوچار ہوتا ہے وہ سب شعور کا حصہ نہیں بنتے بلکہ جوں جوں وہ ہمارے حافظے سے فراموش ہوتے جاتے ہیں لاشعور کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔ کیونکہ کوئی فرد بیک وقت اتنی یادوں، چیزوں اور واقعات کو اپنی یادداشت میں محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ لیکن یہ سب کچھ حرفِ غلط کی طرح مٹ نہیں جاتا بلکہ ہماری سائیکی کا حصہ بن جاتا ہے۔ لاشعور میں اس کے نقوش باقی رہ جاتے ہیں۔ لاشعور ایک فعال حقیقت ہے اور اکثر صورتوں میں شعور سے بھی زیادہ سرگرم عمل رہتا ہے، اور عجیب وغریب تحریکات کو جنم دیتا رہتا ہے۔ لاشعور کسی بھی صورت میں ساکت وجامد نہیں رہتا، اس کا محرک شعور سے بھی زیادہ قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ لاشعور کے محرکات بیک وقت، دبے ہوئے بھی ہوتے ہیں اور فعال بھی ہوتے ہیں۔ اور دبی ہوئی بے پناہ خواہشات اپنی آسودگی کی خاطر شعوری سطح پر آنے کے لئے مچلتی اور تڑپتی رہتی ہیں، لیکن ہم اکثر نے افعال کی لاشعوری تحریک کو کوئی شعوری نام دے دیئے ہیں، کیونکہ ہم لاشعوری تحریک سے بے خبر رہتے ہیں۔ یہی دبائی گئی ناآسودہ خواہشات وتحریکات اکثر مریضانہ صورتوں میں بھی اپنا اظہار کرتی ہیں جو نیوراتی طریقے کہلاتے ہیں۔ نیوروسس میں خواہشات اکثر بھیس بدل کر ظاہر ہوتی ہیں، جیسے ہسٹریا، ضبط، تشویش، اجبار وغیرہ۔

''لاشعور کی فعالیت کی سب سے نمایاں مثال ہمارے خواب ہیں اور خوابوں میں ہم بیداری کے مقابلے میں بہت سرعت سے سوچتے ہیں۔ اور بہت متنوع، عجیب شکلیں اور اکثر اوقات دہشت ناک صورتیں پیدا کرتے ہیں۔ خوابوں میں ہمارے تخیل کو پر لگ جاتے ہیں، اور ہمارے سامنے وہ مناظر رقص کرتے ہیں جنہیں ہم عالم بیداری میں نہیں دیکھ سکتے۔ یہ سب وہی خیالات، تحریکات اور خواہشات ہیں جو لاشعور کے اندھیرے میں پکتی رہتی ہیں اور جس طرح موقع ملے اپنا اظہار کرتی ہیں۔ اسی لئے فرائڈ نے تحلیل نفسی کا سب سے اہم طریق کار تعبیرِ خواب کو بنایا ہے۔ (اِسی کام کی وجہ سے فرائڈ اپنے آپ کو حضرت یوسفؑ کے بہت قریب سمجھتا تھا۔ عزیز) جس کے ذریعے اس نے انسانی شخصیت کی بہت سی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ خوابوں کا مقصدِ اول تسکینِ خواہش ہوتا ہے۔ علاوہ برایں ہمارے بہت سے عجیب وغریب خوف وہراس اور تشویش جو بظاہر دبے رہتے ہیں خوابوں میں اپنا اظہار کرتے ہیں۔ طرح طرح کے انوکھے جنسی تقاضات، ناآسودگیاں اور پوشیدہ خواہشات بھی بڑے پراسرار یا دہشت ناک طریقوں سے خوابوں میں پورے ہوتے ہیں''۔ فرائڈ کے تعبیرِ خواب کے طریقوں میں خوابوں کو متنِ خواب (Dream Content) اور علاماتِ خواب (Dream Symbols) میں تقسیم کر کے انہیں کی تعبیر اور

تجزیے کے ذریعے فرد کی ڈھکی چھپی خواہشات کا سراغ لگایا اور نیوروسس کا علاج کیا گیا۔

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ خواب اعصابی نظام کو دن بھر کے بچے کچھے خیالات سے پاک کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ اس طرح غیر ضروری اور غیر مطلوبہ مواد ذہن سے خارج ہو جاتا ہے۔ جبکہ دوسرے خیال کے مطابق نیند کی حالت میں دماغ کو تحریک دینے کے لئے کچھ خود کار اعمال واقع ہوتے ہیں جن کی وجہ سے خواب نظر آتے ہیں۔ ماہرین نے خوابوں کی مختلف اقسام بھی بتائی ہیں۔ یعنی تمثیلائی خواب، تشویشی خواب، تعزیراتی خواب اور کابوسی خواب (Night mere) وغیرہ۔ خوابوں کی ایک اور قسم یعنی پیش بینی (Fore Cast) خواب بھی ہے۔ خوابی عمل جسمانی نہیں بلکہ ذہنی وقوعہ ہے۔ فرائڈ نے خالص نفسیاتی اصولوں پر اس کی وضاحت کی ہے، اس کے نزدیک ناآسودہ خواہشات زیادہ تر جنسیاتی ہوتی ہیں۔ عبدالحمید کے مطابق آج کل سائنسی معلومات کی روشنی میں خوابوں کی تشریح کئی دوسرے طریقوں سے کی جاتی ہے، لہٰذا خوابوں کی بنیاد پر لاشعور کا تصور کرنا کسی طور پر بھی سائنسی رویہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ خواب بڑے پیچیدہ، مبہم، عجیب وغریب، بے ربط اور بے معنی ہوتے ہیں، یہ ان بکھرے ہوئے خوابوں کی درست تعبیر ہے جو انہیں ایک ترتیب دیتی اور بامعنی بناتی ہے۔ جیسا کہ سورہ یوسف میں فرعون اور اس کے دو ملازموں کے اُلجھے ہوئے خوابوں کو حضرت یوسفؑ نے ایک شعوری شکل دی تھی۔ ایسا صرف درست تعبیر کے ذریعے ممکن ہو سکا تھا۔ ورنہ بادشاہ کے درباری ماہرین تعبیر نے اس کے خواب کو محض پریشاں خیالی کہہ کر بات ختم کر دی تھی۔ شہزاد احمد کے مطابق خواب کی تعبیر اگرچہ ایک بے حد قدیم فن ہے۔ مگر فرائڈ نے اس کو بالکل نئے معنی پہنا دیئے تھے۔ انسانی شخصیت کو سمجھنے کے لئے فرائڈ نے 1900ء میں ایک کتاب، تعبیرِ خواب (Interpretetion of dreams) بھی لکھی تھی۔ یہ فرائڈ کی ایک اہم دستاویز ہے جسے اس نے ایک تخلیقی کیفیت میں لکھا تھا۔ تعبیر خواب کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ظاہر مواد کے پیچھے پوشیدہ مواد تک پہنچا جائے اور یوں مریض کی لاشعوری خواہشات اور انگیختوں کے کچھ پہلو بے نقاب ہو جائیں اور اس کا طریق کار، تحلیل نفسی کے باقی عوامل کی طرح آزاد تلازمِ خیال ہی ہوتا ہے۔ تاہم مستقبل بین خوابوں میں تحلیلِ نفسی کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان خوابوں کی تعبیر خواب کے مواد (Content) کی مدد سے کی جاتی ہے۔

(جاری ہے)

☆.....☆.....☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویؔز

ق در

قدر کے بنیادی معنی ہیں اندازہ۔ پیمانہ۔ قدرت الشیء کے معنی ہیں میں نے اس چیز کو ماپا۔ اس کا اندازہ کیا۔ اس کی لمبائی چوڑائی جسامت، کمیت وغیرہ کو متعین کیا۔ بتایا کہ وہ کیسی ہے، کتنی ہے، اس کا تناسب کیا ہے۔ اور قدر الشیئ بالشیئ۔ کے معنی ہیں اس نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ رکھ کر ماپا اور اس طرح اندازہ کیا کہ وہ اس کے برابر ہے یا نہیں۔ یا ان دونوں کا باہمی تناسب کیا ہے۔ قدرت علیہ الثوب کے معنی ہیں اس نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے۔ قدرت علیہ الشیئ کے معنی ہیں میں نے اس چیز میں ایسی مناسب تبدیلیاں کر دیں کہ وہ اس پر بالکل فٹ آ گئی۔ لہٰذا تقدیر کے بنیادی معنی ہیں کسی چیز کا کسی دوسری چیز کے مطابق بنا دینا۔ اور مقدار اس پیمانے یا ماڈل یا (Pattern) کو کہتے ہیں جس کے مطابق کوئی چیز بنائی جائے (تاج۔ محیط۔ لین۔ راغب)۔ قدر کے معنی ہیں کسی شے کا اندازہ۔ پیمانہ، حجم، جسامت۔ طول، عرض، وغیرہ۔ ھذا قدر ھذا کے معنی ہیں یہ چیز اس دوسری چیز کے اندازے، پیمانے، جسامت، وغیرہ کے بالکل برابر ہے۔ اس کے عین مطابق ہے۔ دونوں ایک ہی قالب میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ جاء علی قدر کے معنی ہیں وہ بالکل اندازے کے مطابق آیا اور جاوز قدرہ کے معنی ہیں اس نے اپنے اندازے، حدود، پیمانے سے تجاوز کر لیا۔ اس سے آگے نکل گیا۔ اقدر اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو اپنی رفتار میں اس اندازہ اور توازن سے چلے کہ اس کے پچھلے پاؤں ٹھیک اس جگہ پڑیں جہاں اس کے اگلے پاؤں پڑے تھے۔ قدار اس شخص کو کہتے ہیں جو مناسب اور معتدل قد کا ہو۔ نہ زیادہ لمبا نہ چھوٹا۔ المقتدر۔ ہر چیز کے درمیانی حصہ کو کہتے ہیں۔ کم قدرۃ نخلک۔ تمہاری کھجوروں کے درختوں کے درمیان کس قدر معین فاصلہ ہے (تاج۔ محیط۔ لین۔ راغب)۔ عوام کی بولی میں المقدر اس شخص کو کہتے ہیں جو کھیتی اور درختوں کا اندازہ کر کے بتائے کہ غلے کی کتنی مقدار پیدا ہونے کی امید ہے۔ قدر۔ ہانڈی یا دیگ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع قدور ہے۔ قدیر۔ اس گوشت کو کہتے ہیں جو (مناسب مسالوں کے ساتھ) ہنڈیا میں پکایا جائے۔ قدار۔ ایسا کھانا پکانے والے کو کہتے ہیں (نیز قصائی کو بھی) (تاج۔ محیط۔ لین۔ راغب)۔

ان مثالوں سے واضح ہے کہ قدر اور تقدیر کے معنی ہیں اندازہ اور پیمانہ۔ یا کسی چیز کو اندازہ اور پیمانے کے مطابق بنا دینا۔ نیز کسی چیز کے تناسب اور توازن کا ٹھیک ٹھیک قائم رکھنا۔ متوازن اور معتدل رہنا۔ ان بنیادی معنوں کو پیش نظر رکھنے سے قرآن کریم کے متعدد مقامات آسانی سے سمجھ میں آ جائیں گے۔

(۲) چونکہ کسی چیز کو کسی خاص پیمانے اور اندازے کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز پر پوری پوری مقدرت حاصل ہو' اس لئے قدر کے معنی کسی چیز پر اقتدار و اختیار رکھنے کے بھی ہیں۔ قدرت علیٰ الشیئی کے معنی ہیں مجھے اس قدر قوت حاصل تھی کہ میں اس چیز کو اپنی مرضی یا پیمانے کے مطابق بنا دیتا۔ مالی علیک مقدرۃ (یامقدرۃ۔ یامقدرۃ یا قدرۃ) کے معنی ہیں مجھے تم پر کوئی اقتدار و اختیار حاصل نہیں۔ اس بنا پر قدر کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو تیار و ہموار کرنے یا کسی معاملہ کو سرانجام دینے کے لئے اس پر غور و فکر کرنا۔ اسی سے اس کے معنی فیصلہ کرنے کے آتے ہیں (تاج۔ محیط۔ راغب)۔

(۳) ایک چیز کو آپ بغیر ناپے تولے یونہی دے دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں کشادگی یا فراخی کا پہلو ہوتا ہے۔ لیکن دوسری چیز کو آپ ناپ تول کر دیتے ہیں۔ اس میں تنگی کا پہلو ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے قدر کے معنی تنگی کے بھی آتے ہیں۔ یعنی کسی کو ماپ تول کر دینا (تاج۔ محیط۔ راغب)۔ نیز اس کے معنی تعظیم کرنے کے بھی آتے ہیں۔ یعنی جس مقام پر کوئی ہے اس کا صحیح صحیح اندازہ رکھنا (تاج۔ محیط۔ راغب)۔

سورہ رعد میں ہے۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا (13:17) اللہ بادلوں سے بارش برساتا ہے تو ندی نالے اپنے اپنے ظرف (قدر) کے مطابق بھر کر بہ نکلتے ہیں۔ یہاں سے قدر کے معنی اندازے یعنی ظرف اور پیمانہ کے واضح ہیں۔ سورہ حجر میں ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (15:21)۔ کوئی چیز ایسی نہیں جس کے ہمارے ہاں خزانے موجود نہ ہوں لیکن ہم اسے ایک متعین اندازے اور پیمانے کے مطابق باہر لاتے رہتے ہیں۔ سورہ سبا میں ہے کہ وحشی اقوام کے کاریگر' حضرت سلیمانؑ کے لئے منجملہ دیگر اشیاء قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ (34:13)۔ یعنی ایسی دیگیں جو ایک جگہ گڑی رہیں' بنایا کرتے تھے۔ یہاں قدر کے معنی دیگ کے ہیں۔

کسی پر غلبہ و اقتدار حاصل کر لینے کے معنوں میں سورہ مائدہ میں ہے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ (5:34)۔ قبل اس کے کہ تم ان پر غلبہ حاصل کر لو۔ سورہ انبیاء میں ہے۔ فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ (21:87)۔ اس نے خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہ پا سکیں گے۔ یا اس سے کوئی مواخذہ نہ کر سکیں گے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ (17:30)۔ یہاں قدر۔ بمقابلہ بسط آیا ہے۔ بسط کے معنی ہیں فراخی اور کشادگی۔ لہٰذا قدر کے معنی ہیں تنگی یا کسی چیز کا ناپا تلا ملنا۔

تقدیر کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے عنوان (ش۔ ی۔ ا) میں مشیت کے معنی دیکھئے اور ان تینوں گوشوں پر غور کیجئے جن کا وہاں ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں بتایا گیا ہے کہ گوشۂ اول وہ ہے جہاں امر الٰہی کے مطابق ہر شے وجود میں آتی ہے اور اس کے لئے قواعد و ضوابط (قوانین) اور خواص متعین ہوتے ہیں۔ یہی قواعد و ضوابط و خواص ان اشیاء کے پیمانے ہیں۔ انہی کو ان کی ''تقدیریں'' کہا جاتا ہے۔ آگ کی تقدیر یہ ہے کہ وہ حرارت پہنچاتی ہے۔ پانی کی تقدیر یہ ہے کہ وہ سیال ہے' نشیب کی طرف بہتا ہے' ایک خاص درجہ حرارت پر

پہنچ کر بھاپ بن جاتا ہے اور جب اسے ٹھنڈ پہنچائی جائے تو پتھر کی طرح سخت ہو کر برف بن جاتا ہے۔ سورہ فرقان میں ہے **خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا** (25:2)۔ اللہ نے ہر شے کو پیدا کیا۔ پھر ان کے لئے پیمانے اور اندازے مقرر کر دیئے۔ امام راغب نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ اشیاء کے متعلق تقدیر الٰہی (پیمانوں) کی دو شکلیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی شے کو کامل طور پر یکبارگی بنا دے اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہو تاوقتیکہ خدا اسے فنا کرنا یا بدلنا نہ چاہے۔ (جیسے سموٰات) اور دوسری یہ کہ کسی شے میں کچھ بننے کی صلاحیتیں رکھ دی گئی ہیں اور وہ رفتہ رفتہ اپنی انتہائی شکل تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں بن سکتی۔ جیسے بیج میں درخت بننے کی صلاحیت۔ یہی اس کی تقدیر ہے۔

امام راغب نے جو پہلی بات کہی ہے (کہ بعض چیزوں کو جو کچھ بننا تھا وہ بن چکی ہیں) سو وہ جس زمانے میں گذرے ہیں اس میں وہ یہی کچھ کہہ سکتے تھے۔ ہمارے زمانے میں انکشافات جدیدہ کا رخ اس طرف ہے کہ جن چیزوں کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی تغیرات نہیں ہوتے ان میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تغیرات بڑے غیر محسوس اور غیر مرئی طریقہ سے واقع ہوتے ہیں۔ بہرحال اس بحث سے قطع نظر تقدیر کے معنی ہیں کسی شے کو ترقی دیتے ہوئے اس قدر (Pattern) کے مطابق بنا دینا جو اس کے لئے متعین ہے۔ یعنی اس کی ممکنات (Potentialities) کا مشہود (Actualise) ہو جانا اور اس طرح اس کا اپنے آخری نقطہ تک پہنچ جانا۔ مقدور۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو رفتہ رفتہ اپنے پیمانے کے مطابق سامنے آتی رہے۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰؑ کے تذکار جلیلہ کے ضمن میں ہے کہ جب انہیں پہلی مرتبہ طُور پر (نبوت سے سرفراز کرنے کے لئے) بلایا گیا تو ان سے کہا گیا کہ نبوت تمہیں یونہی اتفاقیہ نہیں مل گئی کہ۔۔ آگ لینے کو آئے پیمبری مل جائے۔۔ اس کے لئے تمہیں شروع سے تیار کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ تم اس طرح پیدا ہوئے۔ اس طرح تمہاری پرورش ہوئی۔ اس طرح تم مدین کی طرف آئے۔ اس طرح وہاں تم نے گلہ بانی کی۔ اس طرح تمہاری تربیت ہوئی۔ اور یوں ان مختلف منازل میں سے گذر کر **ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ** (20:40)۔ تم، اے موسیٰ! اس اندازے پر پہنچ گئے۔ اس پیمانے کے مطابق بن گئے جو نبوت کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور یہ سب خدا کے متعین کردہ پروگرام کے مطابق ہوا (واضح رہے کہ حضرت موسیٰؑ کو اس کا کچھ علم نہیں تھا کہ انہیں کن مراحل میں سے گذارا جا رہا ہے اور کس مقصد کے لئے گذارا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ نبی کو نبی ہونے سے پہلے اس کا علم و احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ نبوت کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ نبوت وہبی ہوتی ہے۔ کسب و ہنر سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔) یہاں لفظ قدر نے اپنا مفہوم بالکل واضح کر دیا۔

سورۃ اعلیٰ میں ہے۔ **الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ○ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ** (87:2-3)۔ اللہ وہ ہے جو مختلف اشیائے کائنات کی تخلیق کرتا ہے۔ پھر ان میں مناسب اعتدال پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کے لئے ان کے پیمانے اور اندازے مقرر کرتا ہے اور ان کی اس راستے کی طرف راہنمائی کر دیتا ہے جس پر چل کر وہ ان پیمانوں اور اندازوں کے مطابق بن جائیں۔ یہ ہے خدا کا نظام ربوبیت جو کائنات میں جاری و ساری ہے اور جس کی رو سے کائنات کی ہر شے اپنی اپنی تقدیر تک پہنچتی چلی جاتی ہے۔ انسان کے اندر بھی کچھ بننے کی صلاحیتیں

(Potentialities) رکھ دی گئی ہیں۔ لیکن اسے دیگر اشیائے کائنات کی طرح مجبور نہیں کر دیا گیا کہ وہ صرف اس راستہ پر چلے جس پر چلنے سے اس کی یہ تمام صلاحیتیں نشوونما پا کر تکمیل تک پہنچ جائیں۔ اسے اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو یہ راستہ اختیار کرے اور چاہے دوسرا راستہ جس سے اس کی یہ صلاحیتیں دب کر رہ جائیں۔ ان دونوں راستوں میں امتیاز وحی کی رو سے ہوتا ہے۔ (جو قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے)۔ اب انسان جو راستہ اختیار کرے گا یا اس راستے میں جس مقام پر ٹھہر جائے گا اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جائے گا۔ جس طرح مثلاً جب تک پانی سیال رہتا ہے تو اس پر سیالیت (Liquidity) کا قانون نافذ رہتا ہے اور جب منجمد ہو جاتا ہے تو پھر جمادیت (Solidity) کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ یعنی انسان جو کچھ بننا چاہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ ابتداء (Initiative) انسان کی طرف سے ہوتی ہے اور خدا کا قانون اس کا اتباع (Follow) کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (61:5)۔ جب انہوں نے ٹیڑھا راستہ اختیار کر لیا تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ دوسری جگہ ہے۔ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (51:9)۔ اس (صحیح راستے) سے اسی کو پھرایا جاتا ہے جو خود اس سے پھر جاتا ہے۔ یعنی انسان جو راستہ اختیار کرتا ہے اس کے مطابق خدا کا قانون اس پر نافذ ہو جاتا ہے۔ انسان کی ممکنات (Realisable Possibilities) کا میدان بہت وسیع ہے۔ اس لئے اس کے لئے تقدیرات (یعنی قوانین خداوندی) کے انتخاب کا میدان بھی لامحدود ہے۔ یہ جیسا خود بن جائے گا ویسی اس کی "تقدیر" بن جائے گی۔ اقبال کے الفاظ میں:۔

حرفے باریکش بہ رمزے مضمر است
تو اگر دیگر شوی او دیگر است
خاک شو نذر ہوا سازد ترا
سنگ شو بر شیشہ اندازد ترا
شبنمی! افتندگی تقدیر تست
قلزمی! پائندگی تقدیر تست

تم اگر کسی ایک حالت میں ہو اور اس کے مطابق قانون خداوندی کے نتائج تمہارے لئے ناخوشگوار ہیں تو تم اپنے اندر تبدیلی پیدا کر لو۔ اس سے خدا کا دوسرا قانون (تقدیر) تم پر منطبق ہو جائے گا اور تمہاری تقدیر بدل جائے گی۔

گر زیک تقدیر خوں گردد جگر
خواہ از حق حکم تقدیرے دگر
تو اگر تقدیر نو خواہی روا است
زانکہ تقدیرات حق لا انتہا است

یہ ہے قرآن کریم کی رو سے تقدیر کا مفہوم۔ لہٰذا جب کہا جائے گا کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خدا کا قانون ہر شے پر حاوی اور غالب ہے اور اس شے کو اس کی آخری منزل تک لئے جا رہا ہے۔ انسان بھی جس مقام پر اپنے آپ کو رکھے گا اس کے مطابق خدا کا قانون (تقدیر) اس پر حاوی ہوگا۔ اب یہ بات انسان کے اپنے اختیار کی ہے کہ وہ اپنے آپ کو کس مقام پر رکھنا چاہتا ہے' اور اس طرح خدا کی کون سی تقدیر اپنے لئے منتخب کرتا ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کسی مقام پر رکھے' خدا کی تقدیر (قانون) سے اپنے آپ کو باہر نہیں لے جا سکتا۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

قرآن کریم کا یہ اہم اعلان کہ کائنات میں ہر شے کے لئے پیمانے (قوانین' اندازے' تناسب' توازن) مقرر ہیں' علمی دنیا میں ایک عظیم الشان حقیقت کا علمبردار ہے۔ آج سائنس کی تحقیقات اور منکشفات قدم قدم پر اس کی شہادت بہم پہنچا رہی ہیں کہ کائنات میں قانون کی کارفرمائی ہے۔ یونہی اندھیر گردی نہیں۔ یعنی تمام کائنات (Rational Basis) پر چل رہی ہے۔ آپ (Rational) کے لفظ پر غور کیجئے۔ اس کے معنی ہیں جو (Ratio) کے مطابق ہو اور (Ratio) قدر' پیمانے' اندازے' تناسب ہی کو کہتے ہیں۔ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا (33:38) اللہ کا ہر معاملہ ایک خاص اندازے کے مطابق مقرر کردہ ہے۔ یہاں ہر بات (Rational) ہے۔ اندھی فطرت (Blind Nature) کارفرما نہیں۔ نہ ہی انسان مجبور اور مقہور ہے۔ ''پہلے سے لکھا ہوا'' صرف قانون ہے (کہ فلاں عمل کا نتیجہ یہ ہوگا)۔ انسان کی ''قسمت'' نہیں۔ اپنی قسمت ہر انسان (خدا کے قانون مکافات کے مطابق) خود بناتا ہے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قانون خداوندی کو قرآن کریم نے قدر کہہ کر پکارا ہے۔ یہ قوانین جس طرح خارجی کائنات میں جاری وساری ہیں (جنہیں قوانین فطرت یا (Laws of Nature) کہا جاتا ہے) اسی طرح انسانی دنیا میں بھی کارفرما ہیں۔ مستقل اقدار (Permanent Values) خدا کے یہی غیر متبدل قوانین ہیں جن کے مطابق انسانی اعمال نتیجہ خیز ہوتے ہیں۔ نزول قرآن کریم سے مقصد یہ تھا کہ نوع انسان تک ان مستقل اقدار کو پہنچا دیا جائے۔ اسی وجہ سے نزول قرآن کریم کی ''رات'' کو لیلۃ القدر کہا گیا ہے (۳-۱/۹۷)۔ وہ ''شب'' (یا تاریک زمانہ جس میں وحی کی روشنی کہیں موجود نہیں تھی) جس میں دنیا کو نئی اقدار عطا ہوئیں۔ یہ مستقل اقدار ہی ہیں جن کے احترام اور پابندی سے انسان حیوانی سطح زندگی سے بلند ہو کر' انسانیت کی سطح پر آتا ہے' اور جب کسی مستقل قدر اور طبعی (حیوانی) زندگی کے تقاضا میں تصادم ہوتا ہے (Tie پڑتی ہے) تو وہ طبعی زندگی کے تقاضا کو' بلند قدر کی خاطر قربان کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ عند الضرورت' جان تک کو بھی۔ دین' نام ہی قرآن کریم کی عطا کردہ مستقل اقدار کے تحفظ کا ہے۔

(ماخوذ از لغات القرآن)

☆.....☆.....☆

مترجم: ڈاکٹر عبدالرزاق

خودانحصاری خودِاعتمادی کا ذریعہ بنتی ہے
(آڈرے مارلن)

کون ایک خودانحصار شخص ہے

جب بھی ہم خودانحصار ہوتے ہیں تو ہم اپنی روزمرہ مشکلات کو فتح کرنے کے لئے اپنے اندر سے یعنی اپنی ذات سے طاقت حاصل کرتے ہیں۔ جب بچوں کو اس بات کی تعلیم دی جائے کہ ان کا سامنا مشکلات سے ہوسکتا ہے اور ان مسائل کو کیسے حل کرنا ہے اسی سے وہ اپنے اندر کی طاقت کو فروغ دیتے ہیں۔ ایک خودانحصار بچہ زیادہ پراعتماد اور آزاد ہوتا ہے۔

زندگی کے چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت ہی درحقیقت بقاء کی صلاحیت ہے اور اسی سے انسان خودانحصار بنتا ہے۔ آج کی سوسائٹی جو کہ خوشی میں فوراً آپے سے باہر ہوجاتی ہے وہ مشکلات میں آسانی سے بکھر جاتی ہے۔ ہم ہر مشکل کا آسان حل چاہتے ہیں ماں باپ فوراً اپنے بچوں کو ادویات پر ڈال دیتے ہیں اور اس طرح ان کی کمزوریوں کو ادویات کا محتاج کردیتے ہیں۔ اب ہم ایسا معاشرہ بن چکے ہیں جو کہ کم خودانحصار اور بیرونی مدد کا ہر وقت محتاج ہے۔ خودانحصاری ہمیں زندگی میں مصائب اور سانحات کا حوصلے کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرتی ہے۔ افر خودانحصار شخص کی حوصلہ شکنی بھی کی جائے تو وہ اپنے اندر سے طاقت حاصل کرتا ہے اور جدوجہد جاری رکھتا ہے۔

بہت کم ہوتا ہے کہ خودانحصار شخص شراب نوشی اور منشیات میں مبتلا ہو۔ اس کی بجائے وہ اپنی بقاء اپنی اصل طاقت یعنی خودانحصاری میں تلاش کرتے ہیں۔

جب ہم خودانحصار ہوتے ہیں ہمیں اپنی ذات کا ادراک ہوتا ہے۔ ہم اپنی طاقت اور کمزوریوں سے آگاہ ہوتے ہیں۔ اور ہم بہتر پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ اپنی کمزوریوں کو دور کریں اور اپنی طاقت کا درست استعمال کریں۔ خودانحصار شخص اپنی سوچ میں آزاد ہوتا ہے اور معاشرے کی روش کم ہی اختیار کرتا ہے۔ اور معاشرتی روایات کے دباؤ میں نہیں آتا۔ خودانحصار شخص بہتر فیصلے کرتا ہے اور اسے اپنی ذات پر زیادہ کنٹرول ہوتا ہے۔ اسی لئے اس میں عظیم کارنامے سرانجام دینے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ خودانحصاری کا مطلب ہے آزاد سوچ۔ وہ زیادہ پختہ سوچنے والا شخص ہوتا ہے۔ آزاد سوچ سے انسان زیادہ مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو زیادہ آزاد

محسوس کرتے ہیں جب ہمیں دوسروں کی سوچ کے تابع نہ رہنا پڑے۔

آپ کیسا محسوس کریں گے جب آپ کو یہ بتایا جائے کہ شب و روز کوئی اور شخص آپ کو قدم بقدم چلائے گا۔

آپ یقین کریں یا نہ کریں ہم پر اکثر دوسروں کے سوچنے کا انداز اثر انداز ہوتا ہے۔

ہم اس سوسائٹی میں پیدا ہوئے ہیں جس کا معاشرتی اور سیاسی ڈھانچہ پہلے ہی سے ہمارے لئے قائم شدہ ہے۔ ہم تسلیم کریں یا نہ کریں یہ ہمارے اوپر ایک طرح کا جبر ہے۔ ہمارے گھروں کا نقشہ، کپڑے جو ہم پہنتے ہیں۔ موسیقی جو ہم سنتے ہیں حتیٰ کہ جو تفریح بھی ہم اختیار کرتے ہیں اور جن ذرائع ابلاغ میں ہم گھرے ہوئے ہیں ان کی یہ رغبت ہے کہ وہ ہمارے لئے سوچیں۔ ہم ان سب چیزوں کے ساتھ بلا چون و چرا چلتے جاتے ہیں جو ہمارے لئے تشکیل دی گئی ہیں۔

یہاں ایک سوال ہے

کتنی دفعہ ہم کوئی ایسا فیصلہ کرتے ہیں جو ہماری ثقافت اور روایات کے منافی ہو؟

کتنی دفعہ ہم وہ لباس پہنتے ہیں جو کہ تازہ ترین رواج/فیشن سے ہم آہنگ نہ ہو؟

کتنی دفعہ آپ جدید فون، گھڑیاں وغیرہ خریدتے ہیں تاکہ آپ فیشن کی دوڑ میں آگے نظر آئیں؟

کتنی دفعہ آپ کوئی نئی چیز کسی دوسرے کے مشورے کے بغیر کرتے ہیں؟

آزادانہ سوچنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ باغی شخص بن جائیں یا تخریبی نظریات اختیار کرلیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایک باخبر اور تعلیم یافتہ شخصیت ہیں اور اپنے طور پر مکمل تجربے کے بعد متوازن فیصلے کریں۔ اس کا مطلب ہے کہ خود انحصار ہوتے ہوئے اپنے فیصلہ کرنے کی حیثیت پر اعتماد کریں۔

بچوں کے لئے خود انحصاری

جن بچوں کو خود انحصاری کی تربیت نہیں دی جاتی اور جن سے خود انحصاری کی توقع نہیں کی جاتی اور جن کی اس راستے کی طرف حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی وہ زندگی میں اعلیٰ کامیابیوں و کامرانیوں کے حصول کے لئے درکار بہت ساری مہارتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہ بچے دوسروں پر انحصار کے بندھنوں میں بندھے ہوئے پروان چڑھتے ہیں اور ان میں کم خود اعتمادی ہوتی ہے اور ان کے کامیاب انسان بننے کے امکان کم رہ جاتے ہیں۔ یہ ہم والدین پر ہے کہ ہم دیکھیں کہ ہم بچوں کو کیسے پروان چڑھا رہے ہیں۔

کیا آپ گھنٹوں زیادہ وقت صرف نہیں کرتے کہ انہیں زندگی کی ساری آسائشیں ملیں؟ ایسا کرنے میں کیا آپ وہ معیاری وقت ان سے چھین نہیں رہے جس میں وہ زیادہ خود اعتماد انسان بن سکتے تھے۔

میں اپنے کام میں اکثر اس بات کا مشاہدہ کرتا ہوں کہ خوشحال گھرانوں کے بچے جن کو ہر طرح کے مواقع دستیاب ہیں کہ وہ بڑی سے بڑی کامیابیاں حاصل کر سکیں مگر ان میں وہ لگن اور جذبہ ہی نہیں۔ وہ اپنا معیاری وقت نفع بخش مقاصد کے حصول کی بجائے ٹیلی ویژن کے سامنے اور ادھر ادھر کی گپ شپ اور شراب نوشی' منشیات وغیرہ جیسی تباہ کن حرکات میں صرف کر دیتے ہیں۔

بہت سارے والدین یہ دلیل دیتے ہیں کہ جب تک وہ خود خود انحصاری اختیار کیے ہوئے ہیں ان کے بچے خود بخود خود انحصار بن جائیں گے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہو سکتی ہے مگر جو والدین آج خود انحصار ہیں یہ اس راستے پر اس لئے گامزن ہوئے کہ ان کی پرورش اس طرح ہوئی کہ انہیں کم فراوانی ملی اور انہیں اپنی ذات سے طاقت حاصل کر کے جدوجہد کے ذریعے وہ سب حاصل کرنا پڑا جو کہ آج ان کے پاس ہے۔ انہیں پروان ہی ایسے چڑھایا گیا کہ خود انحصاری ہی میں ان کی بقاء ہے۔ چونکہ یہ والدین اس کٹھن راستے سے آگاہ ہیں جس سے گذر کر وہ یہاں تک پہنچے ہیں اس لئے وہ اپنے طور پر اچھی نیت سے چاہتے ہیں کہ ان کے بچوں کو ان کی طرح جدوجہد نہ کرنی پڑے اور اس کی بجائے وہ ان کے پاؤں میں قالین بچھاتے ہیں تاکہ ان کے لیے راستہ آسان ہو جائے لیکن یہی سوچ کا انداز دوسروں پر انحصار اور کم خود اعتمادی کا ذریعہ بنتا ہے۔

ایک لمحے کے لئے رکیں اور سوچیں کہ آپ اپنے بچوں کو کیسے پروان چڑھا رہے ہیں۔ کیا آپ ان کی مدد کر رہے ہیں یا ان کو زخم دے رہے ہیں؟

کیسے زیادہ خود انحصار بنا جا سکتا ہے۔ خود انحصاری اپنے معاملات کو اپنے طور پر انتظام کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔ اپنے فیصلے خود کریں اور انہیں اپنی ذات کے لئے فراہم کریں۔

تو پھر ہم اپنی زندگیوں میں کیا کمی بیشی کریں کہ ہم زیادہ خود انحصار بن جائیں۔ خود انحصاری اس شخص کے لیے بہت بڑی تبدیلی ہے جو کہ پہلے سے اس کا عادی نہ ہو اس لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے آپ کو ذہنی اور روحانی طور پر پہلے مضبوط کریں اور حوصلہ اور ایمان حاصل کریں تاکہ آپ اپنے اندر کے خوف سے باہر آ جائیں۔ آزادی سے سوچنے والے بنیں۔ اس بات کو اہمیت نہ دیں کہ دوسرے کیا سوچتے ہیں بلکہ اس بات پر زیادہ توجہ دیں کہ حقیقی طور پر زیادہ ضروری کون سی بات ہے۔ اپنی بنیادی اقدار Core Values کو جانیں یا انہیں نئے سرے سے طے کریں

اپنے فیصلے خود کرنا سیکھیں۔ اگر آپ یہ جان جائیں کہ اس بات میں آپ کی مہارت کم ہے تو باہر سے بھی کچھ رائے لی جا سکتی ہے تحقیق کریں۔ ساری معلومات حاصل کریں پھر فیصلہ کریں' اپنی خود اعتمادی بڑھائیں۔ خود اعتمادی کی کمی دوسروں پر انحصار کو جنم دیتی ہے۔

اگر کسی شعبے میں آپ کمزور ہیں تو کسی ماہر سے مدد لیں، کوئی تعلیمی یا تربیتی کورس کریں، تحقیق کریں۔ جب ایک دفعہ آپ پر اعتماد بن گئے تو پھر آپ اپنے آپ پر انحصار کریں گے اور دوسروں کے کم محتاج ہوں گے۔ جذباتی طور پر مضبوط بنیں۔ جذباتی پختگی خود انحصاری کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب آپ کو جذباتی طور پر اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہوتا آپ ذمہ داری سے کتراتے ہیں۔ جب آپ کا جذباتی Stamina زیادہ ہو جاتا ہے آپ ہر ذمہ داری کا خود سے سامنا کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ جذباتی رکاوٹوں کو عبور کر سکتے ہیں۔

روپے پیسے کا انتظام کرنا سیکھیں اپنے وسائل کے اندر رہ کر کام کرنے سے آپ کو اپنے مالی معاملات کا انتظام کرنے کا اعتماد آئے گا۔

زیادہ منظم بننا سیکھیں۔ منظم بننے سے سوچ میں شفافیت آتی ہے کہ کیا کرنا ضروری ہے Clarity of Mind بھی خود انحصاری کا ذریعہ بنتی ہے۔ اپنی زندگی اپنے ہاتھ میں لینے سے اور خود انحصاری میں پختہ کار ہونے سے آپ کی زندگی میں امن اور اطمینان آئے گا۔

ماں باپ یہ نقطہ جان لیں کہ اپنے بچوں کو ایک آزاد شخص کے روپ میں پروان چڑھانے کا ماحول ہی آپ نے دینا ہے تاکہ وہ آزاد اور خود انحصار بن سکیں۔

اقوال

دوسرے پر انحصار نہ کریں بلکہ اپنے آپ سے لیں۔ سچی خوشی خود انحصاری ہی سے جنم لیتی ہے۔ The Laws of Manu

خود انحصاری ہی سچی آزادی کا راستہ ہے اور اپنی ذاتی حیثیت کا حصول ہی انتہائی انعام ہے۔ Patrica Sampson

سب سے اچھا روشنی کا عصاء آپ کی اپنی حفاظت کے لئے آپ کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ Ralph Waldo Emerson

اپنی اندرونی جدوجہد کے بغیر کوئی شخص عظیم، اچھا اور خوش انسان نہیں بن سکتا۔ Fredrick W.Robertson

دنیا کا مضبوط ترین شخص وہ ہے جو کہ اکیلا کھڑا ہوتا ہے۔ Henrik Ibsen

آپ کا سب سے بہتر مددگار ہاتھ آپ کے بازو کے اختتام پر ہوتا ہے۔ Unknown

زندگی کا سب سے عظیم نتیجہ اس بات پر مشتمل ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے اعمال کے خود حکمران ہوں۔ جو بات ہمیشہ دوسروں کے تابع ہوا کرے وہ ایک مردہ چیز ہی ہوتی ہے۔ Saint Thomas Aquinas

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر انعام الحق (اسلام آباد)

باب المراسلات

صِغرسنی میں شادی کے متعلق قرآن کا نظریہ

مورخہ تین فروری 2015ء کی اخبار ڈان کے صفحہ 15 پر حکومتِ سندھ کا اعلان اشتہار کی شکل میں یوں سامنے آیا ہے کہ

Sindh becomes the first province amending 85 years old Child marriage Restraint act 1929. Both boys and girls should be at least 18 years of age for marriage. If below 18 years it is a child marriage and is a cognizable and non-bailable for any one conducting, facilitating or helping Child marriage shall be imprisoned for three years.

میرا خیال ہے کہ سندھ حکومت کا اس سے موثر جواب ہو ہی نہیں سکتا جو حال ہی میں پاکستان کی نظریاتی اسلامی کونسل نے اپنی حالیہ مجلسِ مشاورت میں لیا ہے کہ

''نکاح (رُخصتی سمیت) کے لئے بلوغت کی شرط عائد نہیں کی جاسکتی اور صِغرسنی میں نکاح اسلام میں جائز ہے''۔

اس نکاح کی سند کا انحصار وہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صِغرسنی کے تاریخ میں منسوب حضرت عائشہؓ سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کی روایت سے کرتے ہیں' حالانکہ انہیں روایات کی سند کی بنا پر حضرت عائشہؓ کو اس وقت بلوغت کی عمر کا بھی مانا جاتا ہے۔ ہمارے مدارس کے علماء کرام صِغرسنی کی شادی کو امام بخاریؒ کی روایت اور دوسرے تواتر کا درجہ ہونے کی بنا پر بلوغت کی عمر کی روایات سے ترجیح دیتے ہیں۔ اس صِغرسنی میں شادی کے جواز کی روایت کا میں نے قرآن کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہوئے ایک خط میں نظریہ پاکستان کونسل (ٹرسٹ) اسلام آباد کے استفسار پر درجِ ذیل وضاحت کی ہے۔

'' نظریہ پاکستان کونسل کی حالیہ میٹنگ میں میرے ذمہ یہ فریضہ سونپا گیا تھا کہ میں ان عوامل کی نشاندہی کروں' جن میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قرآنی تعلیم کے برخلاف خود ہمارے آئمہ کرام کی کتب میں حرف گیری کی گئی ہو اور جس کی میری نظر میں نظریہ پاکستان کونسل کے تحت قائم کردہ انٹرنیشنل سیرت سنٹر کو حکومت کے متعلقہ حکام کی توجہ مبذول کرانے کی اشد ضرورت ہے۔

اس لئے کہ اس بات سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر طعن پڑنے کا امکان ہوسکتا ہے' اسے دھونے کی ضرورت کا احساس دلانے کے لئے آپ کی توجہ درج ذیل امام بخاری کی حدیث کی طرف اللہ سے سو بار توبہ کرتے ہوئے دلانے کی جسارت کر رہا ہوں۔

پہلی روایت یوں ہے کہ

''خود حضرت عائشہؓ کی زبان میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شادی کی تھی۔ میری والدہ میرے پاس آئیں اور مجھے ایک گھر میں داخل کر دیا۔ پھر مجھے کسی چیز نے خوفزدہ نہیں کیا سوائے رسول اللہ (کی آمد) کے۔ یہ چاشت کا وقت تھا''۔

(صحیح بخاری' تالیف محمد بن اسماعیل بخاری' ترجمہ مولانا ظہور الباری اعظمی' علم و عرفان پبلشرز سن ندارد' جلد سوم صفحہ 73)

اس روایت سے ایک صفحہ ہی قبل صفحہ نمبر 72 میں اسی کتاب میں درج دوسری روایت میں وضاحت ملتی ہے کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے جب نکاح کیا تو ان کی عمر چھ سال تھی اور جب ان کے ساتھ خلوت کی تو ان کی عمر نو سال تھی اور وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نو سال تک رہیں''۔

اس روایت کے برعکس قرآن نے بلوغت کی عمر ہی کو نکاح کی عمر بتایا ہے۔ اس ضمن میں سورہ النساء کی مذکورہ آیت شروع یوں ہوتی ہے کہ

جب کوئی بچے یتیم رہ جائیں تو تم ان کے اموال و جائیداد کی حفاظت کرو اور ان کی دیکھ بھال کرتے رہو۔ اس کے بعد ہے کہ

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (4:6)

یہاں تک کہ وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔

اسی آیت پر آخر میں مزید وضاحت کی گئی ہے کہ اس وقت ان کے اموال و جائیداد ان کے سپرد کر دو۔ (بشرطیکہ وہ فاتر العقل نہ ہوں)

دوسری جگہ نکاح کی عمر میں ان کے اموال کی سپردگی کے ضمن میں نکاح کی عمر کو پہنچنے کی ''**يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ**'' یعنی جوانی کی عمر کہہ کر وضاحت کر دی (6:153) اور (17:34)

اَشُدَّهٗ کے لفظ کے جوانی کی عمر کو پہنچنے کی وضاحت قرآن کی ایک اور سورہ نساء کی آیت (4:67) سے بھی ہو جاتی ہے جہاں انسانی تخلیق کی بتدریج کڑیوں کو بیان کرتے ہوئے اسے طفل اور بڑھاپے کے درمیان ''لتبلغوا اشدکم'' یعنی جوانی کی عمر کہہ کر بھی کر دی۔

لہٰذا قرآن نے تصریف الآیات کے اصول کے تحت اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ قرآن کی رو سے نکاح کی عمر بلوغت (جوانی) کی عمر ہے۔

درجِ بالا آیاتِ قرآن کریم سے خود نکاح کے لئے ''جوانی کی عمر کی تصریح ہو جاتی ہے' لیکن اس کے باوجود اسلاف کی ترجمانی کرتے ہوئے پاکستان کے مستند مفسرِ قرآن ابوالاعلیٰ مودودی نے قرآن کی ایک ہی سند سورہ الطلاق کی درجِ ذیل آیت ڈھونڈ کر اس کی مدد سے صغرسنی کے نکاح اور نابالغ لڑکی کے ساتھ خلوت کا اپنی تفسیر میں یوں جواز پیش کیا ہے کہ

وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُھُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْھُرٍ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ (65:4)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کے معاملے میں اگر تم لوگوں کو کوئی شک لاحق ہے تو (تمہیں معلوم ہو کہ) اِن کی عدت تین مہینے ہے۔ اور یہی حکم ان کا ہے جنہیں ابھی (یعنی اس وقت) حیض نہ آیا ہو۔

اسی آیت میں درج قرآن کے متن کے الفاظ ''لَمْ یَحِضْنَ'' کے ترجمہ کے بعد اس کی تفسیر کرتے ہوئے مودودی صاحب رقمطراز ہیں کہ ''ایسی لڑکیوں کی عدت بیان کرنا جنہیں حیض آنا شروع نہ ہوا ہو' صریحاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس عمر میں نہ صرف لڑکی کا نکاح کر دینا جائز ہے بلکہ شوہر کا اس کے ساتھ خلوت کرنا بھی جائز ہے۔ اب یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز کو قرآن نے جائز قرار دیا ہو اسے ممنوع قرار دینے کا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا''۔

حوالہ:۔ تفہیم القرآن' ابوالاعلیٰ مودودی' جلد پنجم۔ ششم' صفحات 568-571' ناشر ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور' 1985۔

عربی زبان کے قواعد کے مطابق ''لَمْ یَحِضْنَ'' کا صاف اور سیدھا ترجمہ یہ ہے کہ جنہیں حیض نہ آسکا ہو یا حیض نہ آرہا ہو اور یا پھر نہ آیا ہو۔ اس کی مزید وضاحت قرآن میں نہیں دی گئی۔ سیاق و سباق کی رو سے بعض علماء کے نزدیک ان سے مراد وہ عورتیں ہوتی ہیں جن کی عمر تو ایسی ہو جس میں بالعموم حیض آیا کرتا ہے لیکن کسی عارضہ کی وجہ سے انہیں حیض نہ آرہا ہو۔

محترم ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اور دوسرے متقدمین علماء نے اسی درجِ بالا اپنی تفسیر میں آیت کا ''لَمْ یَحِضْنَ'' سے صغرسنی کے نکاح کے جواز میں اس سے مفہوم یہ لیتے ہیں کہ جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔ ہم نے البتہ قبل ازیں ہی قرآنی آیات 4:6' 6:153 اور 17:34 کے حوالے سے وضاحت کی ہے کہ قرآن کریم نے نکاح کے لئے ''جوانی کی عمر کی شرط لگائی ہوئی ہے۔ اس جوانی کی عمر کو اگر دوسرے طریقہ سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ویسے بھی قرآن نے نکاح کو (4:21) ایک میثاق (معاہدہ) قرار دیا ہے۔ اسی لئے یہ تراضیٔ مابین (فریقین کی باہمی رضامندی) سے طے پاتا ہے۔ قرآن کی رو سے اور دنیا کے ہر قانون کے مطابق بھی معاہدہ کرنے کے لئے بالغ ہونا لازمی شرط شمار کیا جاتا ہے۔

اس محکم اصول کے رد پر مذہبی حلقوں کی طرف سے عمومی طور پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی نکاح کے وقت چھ سال کی عمر ہونے کا اسلاف کا تواتر سے اتفاق رہا ہے۔ اس لئے اتنی بڑی اکثریت کی موجودگی میں اس کے خلاف اعتراض کرنے اور سننے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ ایسی وزنی دلیل اور وہ بھی مکتبِ ملا کے پر جوش انداز میں' ظاہر ہے کہ عوام میں فوری قبولیت حاصل کر لیتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اِس دلیل کا من وعن قبول کر لینا علمی روش کے منافی امر ہوگا۔ علمی روش کی رو سے انسان سے چاہے وہ کسی بھی مرتبہ پر ہو' غلطی اور سہو کے امکان کو کسی صورت میں خارج از بحث قرار نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ حیرت کی بات یہ ہے کہ اکثریت کے بل بوتے پر فیصلوں کا سند حاصل کرنے کے غیر قرآنی تصور کی یہ توضیح ان اصحاب کی طرف سے پیش کی جاتی ہے' جو قرآن کے الحق ہونے پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔

اسلاف کی طرف سے دی گئی اکثریت کی بات کا حق پر ہونے کی دلیل کا اگر تجزیہ کیا جائے تو اس کی تردید میں قرآن کا دعوی یہ ہے کہ اکثریت کے علم کو الحق ہونے کے دعوی کے طور پیش نہیں کیا جا سکتا' جب کہ قرآن کی رو سے اکثریت کا اتباع گمراہی کا سبب بنتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قرآن کے اس دعوی کی جانب آپ نے گہرائی سے توجہ نہ دی ہو اور میری بات کچھ افراد کے لئے حیرانی کا باعث بن رہی ہو۔ اس لئے میں دُہرائے دیتا ہوں کہ قرآن کریم نے اپنے اس دعوی کا سرسری طور پر ایک دو بار ذکر نہیں کیا بلکہ متعدد بار اس کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ چند ایک ریفرنس آپ کی سہولت کے لئے دے رہا ہوں۔

1- قرآنِ عربی' اس قوم کے لئے ہے جو علم رکھتی ہو لیکن اکثریت نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔ (41:3-4)

2- اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔ (44:39)

3- اور ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے بیان کر دی ہیں مگر اکثر انسانوں نے اسے قبول نہیں کیا اور انکار کر دیا۔ (17:89)

4- اور ہم نے اِس قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے طرح طرح کی مثالیں بیان کی ہیں۔ لیکن انسان اکثر جھگڑے کرتا رہتا ہے۔ (18:54)

5- اور ہم نے اس (قرآن کی آیات) کو طرح طرح سے بیان کیا تا کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں..... مگر اکثر لوگوں نے انکار کیا اور قبول نہ کیا۔ (25:50)

6- اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں اگر تم ان کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کا راستہ بھلا دیں گے۔ یہ محض خیالوں کے پیچھے چلتے ہیں اور نرے انکل کے تیر چلاتے ہیں۔ (6:117)

7- اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر انسان اس بات کا علم نہیں رکھتے (12:21)

8- اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر انسان اِس کا علم نہیں رکھتے۔ (12:40)

9- اللہ کے وعدے سچے ہوتے ہیں جن کو وہ ضرور پورا کرتا ہے۔ لیکن اکثر انسان اس بات کا علم نہیں رکھتے۔ (16:38) اور (30:6)۔

10- اسلام ہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر انسان اس کا علم نہیں رکھتے۔ (30:30)

11- جہنم میں جانے والے جہنم میں اس لئے گئے کہ وہ اپنے گمراہ باپ دادا کے پیچھے دوڑتے چلے جاتے تھے اور ان سے پہلے بھی اکثر لوگ گمراہ ہو گئے تھے۔ (37:71)

12- مجرمین کے پاس جب حق بات پہنچتی ہے تو اِن میں اکثر ناخوش ہوتے تھے۔ (43:78)

13- کافر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔ (5:1-3)

14- ایسے لوگوں کے پیچھے نہ چلو جو خود بھی گمراہ ہوئے اور پھر اکثریت کو گمراہ کر گئے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ (5:77)

15- اللہ کا وعدہ الحق ہے لیکن اکثریت اس بات کا علم نہیں رکھتی۔ (10:55)

16- اکثر انسان علم نہیں رکھتے۔ (16:75)

17- اکثریت اللہ کی قدرت دیکھ کر بھی عقل سے کام نہیں لیتی۔ (29:63) اور (31:25)

18- تاریخی واقعات سن کر بھی اکثریت ایمان نہیں لاتی۔ (26:67) اور (26:103) مزید (26:121) مزید (26:139) مزید (26:158) مزید (26:174) اور مزید (26:190)۔

مجھے امید ہے کہ اگر آپ ان حوالہ جات کی مدد سے قرآنی متن کا جائزہ لیں گے تو تواتر سے بہت ہی بڑی اکثریت کے فیصلوں کی بنا پر الحق ہونے کی دلیل کے دعوی کو باطل اور اس سے گمراہ ہونے کی حقیقت مکمل طور پر آپ پر واضح ہو جائیگی۔

☆.....☆.....☆

ضرورتِ رشتہ

بیٹی 24 سالہ B.A صوم صلوٰۃ کی پابند کے لئے برسرِ روزگار یا بیرون ملک مقیم قرآنی فیملی سے رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: فون نمبر: 0306-2047042; 0341-1415534

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

اسلامی ہیئتِ اجتماعیہ اور اس کا تقاضے

انسان نے جب اجتماعی زندگی شروع کی تو اس کی ابتداء قبائلی نظام سے ہوئی۔ شروع میں جب قبائلی نظام کا دور تھا تو قانون قبیلہ کا سردار بناتا تھا جو خود بھی قوت کے زور پر سردار بنتا تھا اور پھر قوت کے زور پر ہی وہ اپنے قوانین کی اطاعت کراتا تھا۔ اس کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہو گیا تو بادشاہ قانون سازی کا حق رکھتا تھا۔ اس حق میں وہ بالکل آزاد تھا۔ وہ جو قانون بنانا چاہتا تھا وہ قانون بنالیتا تھا۔ انسانیت ترقی کرتی چلی گئی اور قانون سازی کے حق کو بادشاہوں سے چھین کر عوام کو دے دیا گیا۔ اب قانون سازی کا حق بجائے ایک شخص کے بہت سارے افراد میں تقسیم ہو گیا اس کا نام پارلیمنٹ یا مجلس شوریٰ رکھ دیا گیا۔ لیکن قانون سازی میں انسان بالکل آزاد رہا اور قانون کا سرچشمہ عوام قرار دیئے جاتے رہے۔ ہمارے اس موجودہ دور میں غور وفکر و تعقل اور حالات کے تقاضوں کے مطابق قوانین وضع کئے جاتے ہیں۔ مختلف قومیں مختلف قوانین وضع کرتی ہیں اور ان میں قدر مشترک یہی رہی کہ قانون سازی میں انسانوں کو کلی اختیار حاصل ہے۔ لیکن قانون سازی میں ایک کمزوری شروع سے چلی آ رہی ہے اور وہ یہ کہ ہر فرد یا ہر قوم جو قانون بناتی ہے جو اس کے فائدہ میں ہوتا ہے اور جس سے دوسروں کی Exploitation ہوتی ہے۔ آپ اسی نکتہ کو پیش نظر رکھ کر جو قانون سازی کی تاریخ کا مطالعہ کریں آپ کو کسی بھی ایک جگہ یہ بات نظر نہیں آئے گی کہ کبھی کسی فرد یا کسی قوم نے ایسا قانون بنایا ہو جسمیں یہ ایثار پایا جاتا ہو کہ اس قانون سے خود اس فرد یا قوم کو نقصان اور دوسروں کو فائدہ ہوتا ہو۔ کوئی قوم دوسری قوم کے فائدہ کا قانون کبھی نہیں بناتی جمہوریت میں بھی یہ بات طے شدہ ہے کہ اس میں مختلف پارٹیوں کا وجود ہوتا ہے ہر پارٹی اقتدار میں آنا چاہتی ہے۔ وہ اقتدار میں آنا ہی اسی لیے چاہتی ہے کہ وہ اپنی مرضی کا قانون بنائے جو اس کو فائدہ دیں۔ عموماً ہر پارٹی ایسے قوانین بناتی ہے کہ جن کے ذریعہ وہ خود اور پھر ان کی نسلیں اتنی secure ہو جائیں کہ اقتدار ان کے ہاتھ سے نہ جائے۔ خواہ اس کے لیے ملک یا قوم کو نقصان ہی ہو رہا ہو۔ عقل انسانی جس قدر ترقی کر رہی ہے اسی قدر مسائل زندگی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور چونکہ یہ مسائل خود عقل انسانی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ اسی لیے عقل انسانی ان کا علاج تلاش کرنے سے قاصر ہے۔ قانون سازی کا مسئلہ بھی ان مسائل میں سے ایک ہے۔ اب تک عقل انسانی قانون کی تعریف Definition نہیں کر سکی۔ تمام اقوام عالم مل کر بھی Terrorism کی تعریف کرنے سے قاصر ہیں۔ چونکہ قانون سازی پر کوئی پابندی نہیں ہے اس لئے ہم جنس پرستی جیسے شقیق افعال جائز قرار دیئے جا چکے ہیں۔

قرآن کریم انسانوں کو قانون سازی کا حق نہیں دیتا۔ وہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین کو کفر، ظلم اور فسق 5-45 5-47

(44-5) پر مبنی قرار دیتا ہے۔ اور قانون کے وضع کرنے والوں کو کافر، ظالم اور فاسق قرار دیتا ہے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود قانون بنائے اور دوسروں سے اس کی اطاعت کرائے۔ یہ بات انسان کے بلند مقام اور مرتبہ کے خلاف ہے کہ وہ دوسرے انسان کا محکوم بنے۔

اطاعت صرف قانون خداوندی کی جائز ہے۔ باقی بُتانِ آذری۔ چونکہ وہ ساری انسانیت کا خالق ہے اس لئے وہ انسانیت کے تمام تقاضوں سے خوب آگاہ وواقف ہے۔ اسی لئے قیامت تک انسانیت کے جتنے تقاضے ہو سکتے ہیں قرآن کریم نے ان سب کے متعلق قوانین عطا کر دیئے ہیں۔

صدر اول میں حضور ﷺ نے خود اسلامی ہیئتِ اجتماعیہ کا قیام فرمایا۔ اس کو قائم کرنا حضورؐ پر فرض اور واجب تھا (12-42) اسی طرح انسانیت کی تاریخ میں جتنے انبیاء کرام آئے ان سب پر دین کا قیام فرض تھا۔ آج بھی اس کو قائم کرنا امت مسلمہ کے ایک ایک پیرو پر واجب ہے۔ یہی حضور ﷺ کی سب سے بڑی سنت ہے۔ لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد سے مسلمانوں میں کبھی بھی کہیں بھی اسلامی مملکت قائم نہیں ہوئی۔ اور یہی مسلمانوں کے زوال کا سبب ہے۔ تحریک طلوع اسلام وہ واحد جماعت ہے جو خلافت راشدہ کے بعد اقامت دین کی دعوت لے کر اٹھی ہے۔

اسلامی مملکت کا کانسٹیٹیوشن صرف قرآن کریم ہوتا ہے۔ اسلامی مملکت میں پیشوائیت نہیں ہوتی۔ اب آپ اسلامی مملکت کے وہ تقاضے ملاحظہ فرمائیں جو اسلامی مملکت پورے کرتی ہے۔ مغربی فکر کے مطابق انسان صرف اس کے جسم کا نام ہے۔ اور اس کی نشوونما کھانے پینے اور جسمانی اصولِ صحت کے مطابق ہوتی ہے۔ جب اس کی صحت خراب ہو جاتی ہے اور اسے موت آجاتی ہے تو اس کا جسم ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ انسان ختم ہو جاتا ہے۔ قرآن نے اس تصور حیات کو حیوانی سے تعبیر کیا ہے۔ اور اس کو زندگی کی حیوانی سطح قرار دیا ہے۔

يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ (12-47) ترجمہ: برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں جیسا کہ کھائیں چوپائے۔

قرآنِ کریم کے مطابق زندگی نے اس سطح سے مزید ارتقاء کیا ہے۔ اور انسان جسم اور نفس کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اصل چیز انسان کا نفس ہوتا ہے۔ اور اس نفس کی نشوونما کرنا انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔ دین کی ساری عمارت انسانی ذات کے عقیدہ پر قائم ہوتی ہے۔ اسی لئے نفسِ انسانی کے عقیدہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ نظام سیاست کی پوری عمارت اسی عقیدہ پر مبنی ہوتی ہے۔ جس طرح انسانی جسم کی پرورش کے لئے کچھ قوانین مقرر ہیں اسی طرح ذات کی نشوونما کے لئے بھی کچھ اصول وقوانین ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان وحی کا محتاج ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی ذات کی نشوونما کے طریقے وحی الٰہی ہی عطا کرتی ہے۔ جو آج صرف قرآن کریم میں محفوظ ہیں۔ یہ قوانین جس سے ذات کی نشوونما ہوتی ہے، ان کو مستقل اقدار کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک قدر یہ ہے کہ **الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ** (18-92) جو شخص اپنا مال دوسروں پر صرف کرتا ہے اس کی ذات کی نشوونما ہے۔ ان اقدار خداوندی کا ہم بعد میں ذکر کریں گے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص نفس انسانی کا قائل نہیں ہے تو اس کے سامنے نہ تو اسلامی ریاست کا تصور ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ آج ساری دنیا میں جتنی بھی حکومتیں قائم ہیں وہ صرف حیوانیت کی سطح تک پہنچی ہیں۔ وہ

ابھی انسانیت کے معیار پر آئی ہی نہیں ہیں۔

اسلامی مملکت کے لیے دوسری ضروری بات یہ ہے کہ اس مملکت کے باشندوں کا مکافاتِ عمل پر ایمان ہونا ضروری ہے۔ اگر اس مملکت کے باشندوں کا مکافات عمل پر ایمان نہیں ہے تو وہ مملکت اسلامی مملکت نہیں ہوسکتی۔ مکافات عمل کا یہ مفہوم ہے کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کر رہا ہے اور قرآن کریم نے اعمال کے جو نتائج بیان کئے ہیں وہ اسی دنیا اور آخرت دونوں میں برآمد ہوتے ہیں۔ مثلاً جو شخص زہر کھاتا ہے وہ مرجاتا ہے۔ یہ ایک طبعی قانون کا نتیجہ ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ خدا نے اپنے طبعی قانون میں یہ خصوصیت رکھدی ہے۔ اسی طرح کے اصول اللہ تعالیٰ نے انسانی نفس کی نشوونما کے لیے بھی مقرر کئے ہیں۔ جو شخص ایثار کرے گا۔ دوسروں کے کام آئے گا، حلال کھائے گا۔ حرام کھانے سے اجتناب کرے اس شخص کا نفس نشوونما پائے گا۔ ایسے ہی اصول قرآن نے اقوام کے عروج وزوال کے بھی مقرر کئے ہیں۔ جو قوم ظلم کرے گی وہ تباہ ہوجائے گی۔ جو قوم دوسری اقوام کے کام آئے گی وہ ترقی کرے گی۔ مرنے کے بعد اعمال کی جزا وسزا قانونِ مکافات عمل کے مطابق ملے گی۔ قرآن کریم کی مستقل اقدار پر عمل کرنے سے نفس انسانی میں استحکام حاصل ہوتا ہے اور ان اقدار کے خلاف کام کرنے سے نفس کمزور ہوتا ہے۔ مستقل اقدار پر عمل کرنے سے ایک بہترین مملکت تعمیر ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم کی رو سے موت کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ زندگی باقی رہتی ہے۔ ایسی زندگی یا نفسِ انسانی کو نشوونما دینے کے لیے ہم مستقل اقدار پر عمل کرتے ہیں۔ ان مستقل اقدار پر عمل کرنے سے جہاں نفسِ انسانی کی تربیت ہوتی ہے وہاں اس کا Biy-product یہ حاصل ہوتا ہے کہ مملکت کا نظام درست ہوتا ہے اور جرائم کی تعداد بالکل کم ہوجاتی ہے۔ چونکہ اس مملکت کی اطاعت، عبادتِ خداوندی ہوتی ہے اس لیے اس مملکت کے تمام شہری اس مملکت کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اس مملکت میں بجلی کے بل گیس کے بل اور مملکت کے تمام واجبات Revenues ادا کرنے سے عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ شہری یہ ادائیگی اپنی نفس کی پرورش سے کرتا ہے۔ لیکن اس کا ایک اضافی ماحصل یہ ہوتا ہے کہ مملکت کا نظم ونسق بہترین صورت اختیار کر لیتا ہے اور ایسی مملکت میں جرائم کا انسداد خود ہوجاتا ہے۔

آپ یہ بات تصور میں لائیں کہ ایک روزہ دار اپنے گھر میں تنہا بیٹھا ہے سخت گرمی کا موسم ہے، لیکن وہ پانی نہیں پیتا اور پیاس محسوس کر رہا ہے۔ ساتھ ہی فرج میں ٹھنڈا پانی رکھا ہے۔ لیکن وہ پانی نہیں پیتا اور پیاس کی شدت کو برداشت کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ روزہ توڑنا گناہ ہے۔ یہی شخص گھر کے باہر جب اپنی کار میں نکلتا ہے تو وہ ٹریفک سگنل کی پروانہیں کرتا اور اس کو Cross کر جاتا ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ گناہ نہیں ہے۔ لیکن اسلامی مملکت میں اس طرح سگنل پار کرنے سے بھی گناہ ہوتا ہے۔ یعنی نفس پر اس کا برا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اس لئے اس مملکت میں کوئی شخص اس طرح سگنل Cross نہیں کرے گا۔ اس مملکت میں Sin اور Crime ایک ہوجاتے ہیں۔ اس لئے جو شخص روزہ توڑنے کا Sin نہیں کرتا وہ شخص ٹریفک سگنل کو عبور کرنے کا Crime بھی نہیں کرے گا۔

قرآن نے حیوانیت کی سطح کی زندگی اور انسانیت کی سطح زندگی میں ایک نمایاں خط امتیاز کھینچ دیا ہے۔ قرآن نے حیوانی زندگی کی تعریف یہ کی ہے کہ جس میں انسان دنیا کی چیزوں کو کام میں لاتا ہے اور جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے۔ اور ان کا انجام جہنم ہوتا ہے

(47/12)اس کے برعکس جو شخص مکافاتِ عمل پر یقین رکھتا ہے اور یہ یقین رکھتا ہے کہ زندگی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔ یہ انسانیت کی سطح کی زندگی ہے۔ اس وقت دنیا میں ساری ریاستیں حیوانیت کی سطح پر چل رہی ہیں۔ کوئی ایک ریاست بھی انسانیت کی سطح تک نہیں آئی ہے۔ اسلامی ریاست کی چند ایک چیزیں ہم نے آپ کی خدمت عالی میں پیش کی ہیں۔ اسلامی ریاست کا سب سے اعلیٰ اور سب سے مؤثر نظریہ صفات خداوندی پر ایمان لانا اور اسلامی نظام کا ان صفات پر قائم ہونا ہے۔ یہ نظریہ ذرا تفصیل طلب ہے۔ اس کو آپ بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا اسمِ ذات اللہ ہے اور باقی سب اس کی صفات ہیں۔ ذہن انسانی ذات باری تعالیٰ کا نہ تو ادراک و تصور کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی ذات کی حقیقت کو جان سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کو قرآن میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تمام صفات انسان میں بالقوۃ موجود ہوتی ہیں۔ جنہیں اسماء الحسنیٰ کہا جاتا ہے۔ ان صفات کو بالفعل اپنی ذات میں مشہود کرنا زندگی کا مقصد ہے۔ ان صفات کو اپنے میں مشہود کرنا اور ان کو منعکس کرنا ہی ذات کو نشوونما دینا اور ذات کا تزکیہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے۔ اس لئے ہر شخص کو کریم ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اس لئے ہر شخص کو صفت عدل کو اپنے میں مشہود کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز ہے۔ اس لئے ہر شخص کو طاقتور ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ سلام ہے۔ اس لئے ہر شخص کو دوسروں کے لئے امن و سلامتی فراہم کرنا ضروری ہے۔ انسان جس درجہ ان صفات باری تعالیٰ کو اپنے اندر منعکس کرے گا۔ اسی قدر اسکو قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ خدا کی ان صفات کو اپنے اندر منعکس کرنے سے انسانی ذات کے جوہروں کی نمود اور ان کی بالیدگی ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے ہر مسلمان پر یہ فرض کیا ہے وہ بشریت کی وسعتوں کے مطابق اتباعِ قرآن کے ذریعے اپنے اندر اس قسم کی صفات پیدا کرے اور اس قسم کے مؤمنین ہی اسلامی مملکت قائم کرتے ہیں۔ قرآن کے مطابق جس طرح ایک مومن ان صفات خداوندی کا حامل ہوتا ہے، اسلامی مملکت بھی ان صفات پر ہی قائم ہوتی ہے۔ خدا رب العالمین ہے۔ تمام مؤمنین پر فرض ہے کہ وہ دوسروں کی ربوبیت کریں۔ اسی طرح اسلامی مملکت کا یہ فرض ہے کہ یہ ریاست ہر شخص کی ربوبیت کرے۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے۔ اسی طرح اسلامی مملکت کا یہ فرض ہے کہ وہ دوسروں کے لئے رزق فراہم کرے۔ اللہ تعالیٰ جبّار و قہّار ہے۔ اسی لئے اسلامی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ سرکش کے ظلم کا انسداد کرے۔

قرآنِ کریم کی رُو سے اسلامی ریاست ایک بہت بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں اللہ تعالیٰ کی یہ صفات، جو اس وقت صرف ذہنی و فکری ہیں۔ یہ صفات ایک ٹھوس حقیقت میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ یہ صفات اسلامی مملکت میں مشہود ہو جاتی ہیں۔ اور ان صفات کو مشہود کرنے سے انسان کی اپنی مضمر صلاحیتیں نشوونما پا جاتی ہیں۔ یہ جو اوپر تحریر کیا گیا تھا کہ انسان کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اس کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے انسان کی اطاعت کرے۔ اس لئے اسلامی مملکت میں دوسروں کی اطاعت نہیں ہوتی۔ یہ صفات خداوندی جو مستقل اقدار ہوتی ہیں، جن پر اسلامی مملکت قائم ہوتی ہے یہی صفاتِ خداوندی انسان میں بالقوۃ موجود ہوتی ہیں۔ اور مستقل اقدار کی اطاعت سے ان کی نشوونما ہوتی ہے۔ مستقل اقدار کی اطاعت خود انسان کی اپنی فطرت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کسی غیر کی اطاعت نہیں ہوتی۔ اسلامی مملکت کے حکمران خود پہلے ان مستقل اقدار کا اطلاق اپنے اوپر کرتے ہیں اور ساتھ

ساتھ اس کو ریاست میں نافذ کرتے ہیں۔ اس طرح اطاعت حکمرانوں یا افسران کی نہیں رہتی بلکہ اس سے خود اپنے جذبہ کی تسکین ہوتی ہے۔ یہ اسلامی مملکت کے وہ تصورات وعقائد ہیں جن کی سیکولر حکومتوں کو ہوا تک لگی نہیں ہوتی ہے۔ اگر کسی کو یہ معلوم کرنا ہو کہ فلاں ریاست اسلامی ہے یا نہیں ہے تو اس کا واضح طریقہ یہ ہے کہ وہ یہ دیکھ لے کہ کیا اس ریاست میں صفات خداوندی مشہود ہو رہی ہیں کہ نہیں۔ جو ریاست عزیز نہیں ہے یعنی اس کو دوسری ریاستوں کی طرح قوت حاصل نہ ہو وہ اسلامی ریاست نہیں ہوسکتی۔ اللہ رب ہے۔ جس ریاست میں ربوبیت مکمل طور پر ہو رہی ہو، وہ اسلامی ریاست ہے۔ اللہ عادل ہے۔ جس ریاست میں عدالت ہو رہی ہے، وہ اسلامی ریاست ہے۔ اور جس میں عدالت نہیں ہو رہی وہ حکومت اسلامی نہیں ہے۔

قرآنِ کریم میں ہر حکم کے ساتھ کسی نہ کسی صفت کا حوالہ ضرور آتا ہے۔ کسی آیت کے آخر میں علیم وخبیر آتا ہے اور کسی حکم کے ارشاد کے بعد عزیز وحکیم آتا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام احکامات خداوندی درحقیقت خدا کی صفات کا مظہر ہیں، خدا کے ہر حکم کے اندر خدا کی ایک صفت کا عکس ہوتا ہے۔ اس حکم پر عمل کرتے وقت اس صفت کو دیکھنا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی صفت ربوبیت ہے تو ہر شخص فرداً فرداً اور اسلامی مملکت اجتماعی طور پر ربوبیت عامہ کے لئے ہر وقت کوشاں رہے۔ اصل بات ریاست کا اپنے آپ کو صفات خداوندی کے تقاضوں کے مطابق بنانا ہے۔ اللہ کی ایک صفت عدل ہے اس کا تقاضہ ہے کہ اسلامی مملکت میں عدل ہو اور اس میں تمام باشندے بھی عادل ہوں۔ عدل کی جگہ عدل اور عفو کی جگہ عفو، عدل کی جگہ عفو کرنا معصیت خداوندی کے مترادف ہوگا۔ قرآن میں حکم ہے کہ مجرم کو سزا دینے میں نرمی نہ کرو 2-24 اس لئے اگر کوئی شخص مجرم کو سزا دینے میں عفو وکرم کی صفت پر عمل کرے گا تو وہ معصیت خداوندی کا مرتکب ہوگا۔

قرآنِ کریم میں حضور ﷺ کے فرائض میں تزکیہ کا ذکر بھی آتا ہے، کہ آپؐ سب لوگوں کا تزکیہ نفس کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر شخص حضور ﷺ کے پاس حاضر ہو اور حضور اس کا تزکیہ نفس کر دیتے تھے بلکہ اس سے یہ مراد ہے کہ حضورؐ ایک ایسا نظام قائم فرمائیں گے کہ جس میں ہر شخص کی مضمر صلاحیتیں ظاہر ہو جاتی ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے گاؤں دیہات میں بعض لوگ ناخواندہ ہونے کے باوجود بڑے سمجھدار ہوتے ہیں۔ ان کے اندر صلاحیت ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے چونکہ کوئی اسکول ان کے گاؤں میں نہیں ہوتا تو وہ ناخواندہ رہ جاتے ہیں اور ان کا تزکیہ نفس نہیں ہوتا جس کے یہ معنے ہیں کہ ان کی صلاحیتیں بیدار نہیں ہوتیں۔ اسلامی مملکت خود بھی مُزکی ہوتی ہے اور اپنی مملکت کے ایک ایک فرد کا تزکیہ کرتی ہے۔ ہر شخص کی Potential کو Actualize کرتی ہے اور کوئی شخص ایسا نہیں رہتا جس کی صلاحیتیں مشہود نہ ہوئی ہوں۔

اسلامی مملکت کے بارے میں مزید دو باتیں تحریر کرنا ضروری معلوم ہوتی ہیں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ جب بھی آپ کسی شخص کے سامنے اسلامی مملکت کے قیام کا ذکر کرتے ہیں۔ تو ان کے ذہن میں فوراً تھیوکریسی آجاتی ہے۔ کہ اسلامی مملکت میں وہ شریعت نافذ ہوگی جو آج سے ہزار سال پیشتر وضع کی گئی تھی۔ قرآنی مملکت میں یہ بات نہیں ہوتی۔ یہ مملکت قرآن کریم کو آمنے سامنے رکھے گی اور قرآنی اصولوں کے مطابق نئے نئے قوانین بناتی چلی جائے گی۔ اس میں ''علماء'' کا کوئی کردار نہیں ہوگا۔ یہ قوانین موجودہ تقاضوں کے مطابق ہوں گے۔ صرف اتنا دیکھنا ہوگا کہ یہ قوانین قرآن کے اصولوں سے تجاوز نہ کریں۔ قرآن کی رو سے اجتہاد انفرادی طور پر

نہیں ہوتا۔ بلکہ اسلامی مملکت جو قوانین وضع کرتی ہے یا سابقہ قوانین میں ترمیم کرتی ہے وہ اجتہاد ہوتا ہے۔ اجتہاد کرنے کے لیے حکومت کا ہونا لازمی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن نے اسلامی مملکت کا کوئی ڈھانچہ مقرر کر کے نہیں دیا صرف چند اہداف بیان کر دیے ہیں جن کا ذکر اسی مضمون میں کیا گیا ہے۔ ان اہداف کو حاصل کرنے کے لیے آپ کوئی مشینری بنالیں۔ قرآن نے صرف موٹے موٹے اصول دئے ہیں کہ مملکت میں حکمران ان کو بناؤ جو اس عہدہ کے اہل ہوں 58-4 اپنے تمام امور مشوروں سے طے کرو 38-42 ہر شخص قانون کا پابند ہو یہاں تک کہ صدرِ ریاست بھی قانون کا پابند ہو۔ اسے کوئی Immunity استثنیٰ نہیں ہونا چاہیے۔ دوسروں کی ربوبیت کرو، اسلامی مملکت میں کوئی خوف نہیں ہوتا چاروں طرف امن وامان ہوتا ہے۔ (2-38, 3-170) اس طرح سے باقی اہداف بیان کئے گئے ہیں جن کا حاصل کرنا اسلامی مملکت کا فریضہ ہوتا ہے یہ مملکت خدائی وعدوں کو پورا کرتی ہے۔ 6-11 جو معاہدہ اسلامی مملکت سے ہوتا ہے۔ اصل میں وہ معاہدہ اللہ سے ہوتا ہے۔ یہ مملکت اپنے شہریوں کی دعائیں پوری کرواتی ہے۔ 62-27 اس کی اطاعت عبادت خداوندی ہوتی ہے۔ اگر یہ مملکت اپنے وعدے پورے نہ کرے وہ اصل میں خدائی وعدے ہوتے ہیں تو اس کی اطاعت مرفوع وساقط ہوجاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اگر کسی بستی میں ایک شخص بھی بھوکا سو گیا تو اس بستی سے اس حکومت کی اطاعت مرجوع ہوجاتی ہے۔

ہم اپنے مضامین میں تحریک طلوع اسلام کے لٹریچر سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس مضمون کی تحریر میں ہم نے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مرحوم کی ایک بڑی عمدہ کتاب ''تزکیہ نفس'' سے بہت استفادہ کیا ہے۔ یہ مولانا کی زندگی کے آخری دور کی تحریر کردہ کتاب ہے۔ اس لئے ان کے علم اور غور وخوض کا نچوڑ ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ حضرات ''تزکیہ نفس'' کے موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں تو اس کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں اور خصوصاً اس کا بیسواں 20 باب ''تعلق باللہ اور اس کے اساسات''۔ بڑا عمدہ باب ہے۔ ہمارے تیرہ سو سالہ مذہبی لٹریچر میں ایسی جامع تحریرات بہت کم یاب ہیں۔ حضرت مولانا بڑے بلند پایہ عالم اور قرآن کے مفسر تھے۔ ہمارے نزدیک اس وقت اردو زبان میں ان کی تفسیر ''تدبر قرآن'' بہتر تفسیر ہے۔ ویسے بھی حضرت مولانا اخلاص اور تقویٰ کا مجسم پیکر تھے۔ قرآن کی محبت ان کے رگ رگ میں سرائیت کئے ہوئے تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور ان کی قرآنی خدمات کو قبول فرمائے۔

☆.....☆.....☆

ضرورتِ رشتہ

ایک قرآنی فیملی سے بیٹا، تعلیم ایم بی اے، ایک لاکھ روپے تنخواہ پر ایک معروف فرم میں ملازم، رہائش گرین پارک لاہور، کے لئے مناسب وموزوں رشتہ کا رہے۔ خواہش مند احباب درجِ ذیل نمبر پر رابطہ فرما سکتے ہیں۔

مختار احمد۔ موبائل نمبر: 0323-1426388

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

☆ باغبان ایسوسی ایشن کا ماٹو ''قرآن فہمی اور باغبانی'' ہے۔

☆ باغبانوں کے غیر رسمی اجتماعات ہر ماہ 15-30 تاریخ کو ہوتے ہیں جن میں وہ اپنے تجربات ومشاہدات سے باغبانی کو ارتقاء کا رنگ دیتے ہیں۔

نوجوانوں کے نام

عزیز نوجوانو! میں نے ایک علم دوست جوان واجد حسین شاہ صاحب کو سیاسی اور فرقہ کی لائن سے بلند ہو کر انسانیت کی خدمت کرتے دیکھا ہے۔ آج پاکستان کو جو مشکل صورت حال درپیش ہے اس میں امن۔ ربوبیت۔ احترام۔ تعاون اور آفاقی دور اندیشی کی ضرورت ہے میں پاکستان کے نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ سیاسی اور فرقے کی لائن سے بلند ہو کر انسانیت کی خدمت میں اپنا کردار ادا کریں۔

باغبان ایسوسی ایشن آپ کو ایسا ہی پلیٹ فارم مہیا کرتی ہے۔ جہاں آپ قرآنی آفاقیت کے ساتھ ساتھ باغبانی کے تجربات بھی کر سکیں گے۔ باغبانی جہاں ماحولیات کے لئے اہم ہے وہاں ذرائع روزگار بھی مہیا کرتی ہے۔ پھلوں کی کثرت غذائیت کا شہکار بن جاتی ہے۔ سبز انقلاب کی تکمیل سے ہم بہت سے مسائل حل کرنے کے قابل ہو جائیں گے بنجر پاکستان آباد ہوگا۔

پتہ رابطہ: ملک حنیف وجدانی صدر باغبان ایسوسی ایشن سنبل سیّداں نیومری۔ پاکستان
موبائل نمبر: 0310-1547355

وہ کون سا دماغ ہے جس میں اِس قسم کے سوالات نہیں اُبھرتے کہ:

- کیا انسان کی قسمت پہلے سے لکھی ہوئی ہے؟
- کیا سب کچھ خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟
- کیا غریبوں کی قسمت ہی ایسی ہے کہ وہ ساری عمر دھکے کھاتے رہیں؟
- کیا خدا کو ایسا ہی منظور ہے؟
- کیا موت کا ایک دن مقرر ہے یا وہ آگے پیچھے بھی ہو سکتی ہے؟
- بعض بچے پیدائشی اندھے، لولے لنگڑے کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ بھی خدا کی مرضی سے ہوتا ہے؟
- اگر خدا کے ہاں عدل ہے تو وہ ظالموں کو ظلم سے کیوں نہیں روکتا؟
- کیا دُعا سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ اگر نہیں بدلتی تو ہم دُعا کیوں کرتے ہیں؟
- یہ اور اسی قسم کے دیگر سوالات کا تعلق **مسئلۂ تقدیر** سے ہے جس نے انسانی ذہن کو ہمیشہ طلسم پیچ و تاب بنائے رکھا ہے۔

یہی وہ مسئلہ تھا جس کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے کارل مارکس نے کہہ دیا کہ "مذہب عوام کے لئے افیون ہے"۔

جناب پرویز نے ـــــ دُنیا کے اِس مشکل ترین مسئلہ کو ـــــ اپنی تصنیف

کِتابُ التّقدیر

میں، قرآنِ کریم کی روشنی میں، اس عمدگی سے حل کر دیا ہے کہ اس کے بعد ذہن میں کوئی خلجان باقی نہیں رہتا۔

کمپیوٹر کمپوزنگ اور کتابت کا حسین امتزاج

طباعت کا اعلیٰ ترین معیار

طلوعِ اسلام ٹرسٹ (رجسٹرڈ) 25 بی، گلبرگ 2، لاہور

tolueislam@gmail.com ; www.islamicdawn.com

www.facebook.com/tolueislam.trust

Introduction to development of Mafhoom-ul-Quran (MQ) Software

Shahab Aftab

Team Leader

Software Development Team

Bazm, Tolu Islam, Karachi

I'm not writing this article because of attention, it is because of an internal change brought about by the intellectual giant Allama Parwez from audio cassettes to his video cassettes along with his books interspersed with meaning through having an aim, purposeful, explanations which has revitalized me when studying what others have to say about the Quran.

Islam in the modern times finds its roots in the works of the great Allama Parwez and he is thus proving to be the most influential man in this millennium as well.

In Allama Parwez estimation he had considered Lughat-ul-Quran and Mafhoom-ul-Quran as the final link of this series. But afterwards he considered that without Tabweeb-ul-Quran the series shall remain incomplete.

The main purpose of a PDF or an eBook is to read or print, to take full advantage of Allama Parwez work, retrieval of lot of cross-references are important because they form an integrated network structure of relations existing between different aspects of Quran, such as of Quranic data (Mafhoom-ul-Quran), Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran), Quranic encyclopedia (Tabweeb-ul-Quran), assembling of literal, contextual, content and semantic information which are essential to grasp a comprehensive understanding of the Quran.

The reader can appreciate that to manually retrieve the cross-referenced information of Quranic data (Mafhoom-ul-Quran), Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran), Quranic encyclopedia (Tabweeb-ul-Quran), would take enormous time, dedication and effort.

Reading in the 21st century is not confined to print reading, reading habits are changing. How we read is evolving, reading of online readers is in transition due to Internet surfing, use of desktop and smart phone software applications i.e. non-sequential, interactive and extensive reading. There is a widespread practice to read Quran without understanding its meaning, thus ignoring the substance of Quran, this attitude is changing now a days. Educated youth of the Muslims is returning towards the Quran.

The current situation is becoming urgent to develop and convert the above immovable information into flexible software programs, create Internet portals and smart phone applications, unlike a PDF or an eBook, meaning that it can be manipulated in many ways, to fit the needs of researchers, students and truth seekers who want to study the Quran in the right perspective and to transform our personality according to the Quranic ideals by differentiating the formal meaning to functional meaning, and consequently to get rid of the misunderstanding of the meaning of the Quran.

The purpose of developing Mafhoom-ul-Quran (MQ) software is to integrate data of Mafhoom-ul-Quran, English version of Mafhoom-ul-Quran (Exposition of Quran), Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran), and Quranic encyclopedia (Tabweeb-ul-Quran), providing a unifying framework for building and developing MQ related applications.

The Bazm, Tolu Islam Karachi initiated the project of Mafhoom-ul-Quran (MQ) software in mid-2013 and hired a dedicated team of persons for converting the printed data of Mafhoom-ul-Quran and Lughat-ul-Quran into digital data in the first phase, thereafter two passes of proof reading of the entire converted data along with the correction of typographical error was accomplished. A team of software developer for the purpose of developing Mafhoom-ul-Quran (MQ) software and Internet applications were hired. An initial version (alpha) is available for review and feedback, a website application is also in progress and will be available very soon.

In future a mobile-friendly and usable across multiple platforms, from Android to Windows to attract an even larger audience shall be implemented.

It is most enlightening that some of Allama Perwez's work is translated in up to eleven languages, out of 50 plus books. The importance of the project that may one day help make all content available in multiple languages is exciting, although English is the contemporary language which can also provide tremendous functional and global advantage.

The software to be effectively usable by an international audience, they must be at least provided with Urdu and English language content to making data and information accessible to all people around the world.

So far the softcopy of the translation of Mafhoom-ul-Quran in English (Exposition of Quran) is available and has been integrated in the software, though the printed English translation of Lughat-ul-Quran is available in stores, we are still unable to get hold the softcopy of the same.

Our dedicated team is currently working to integrate the data of Tabweeb-ul-Quran,

however if we get the soft data of English version of Lughat-ul-Quran, the same can also be incorporated in the software applications.

Outline of the salient features of the Mafhoom-ul-Quran software:

1. The Internet, desktop and smart phone applications involves combining data residing in different sources and providing users with a unified view of these data.
2. The interface is laid out in searching, browsing format to a particular topic with minimal clutter so that the work flow is more natural and intuitive. The tabbed search interface lets you pursue several lines of investigation simultaneously, keeping multiple searches open at the same time.
3. Advent of online digital Quran and an increase of online Quran learners worldwide
4. Faster and integrated access to key and integrated information
5. The invention of number of IT applications that ease retrieval of information from Quran
6. Identify the key components and phases while searching the Quran text
7. Integration of Quran word by word with Root Word and Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran)
8. Root Word based Search with Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran)
9. Retrieval and Display of Mafhoom-ul-Quran and Exposition of Verses (Basic text search)
10. Search Verses containing Words with Same Roots, with Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran)
11. Retrieve Words with Same Root with Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran)
12. Search Whole Verse containing all Words in Verse with Roots and (Lughat-ul-Quran)
13. A salient feature of application is the ability to retrieve Quranic verses, Mafhoom-ul-Quran and Exposition, Root Word, (Lughat-ul-Quran) using search phrases in languages other than Arabic.
14. Searching by using filters, like in selected Surahs or within some ranges of verse.
15. Search Quran by entering parameters, such as, ayah no., surah name, root word etc.

16. Design and development for all necessary components for searching, reading, annotation, mobile applications and Internet around the central theme of Mafhoom-ul-Quran and Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran) – In progress

17. Inter-Language search, you can search in English and Urdu and get the Arabic, Root Word, Mafhoom-ul-Quran, Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran), Exposition information for it

18. Development of Web based applications like Quranic portals – Under construction

19. Development of mobile based like Windows & Android applications –Future implementation

20. Capable of fine distinction between formal and functional meanings of Quran, which plays a significant role in achieving better understanding

21. Comparison of Mafhoom-ul-Quran with different translations – Internet based, under construction

22. Search based on Tabweeb-ul-Quran titles and sub-titles with display of related verses of Mafhoom-ul-Quran, integration with Root Word, Quranic dictionary (Lughat-ul-Quran) – In progress.

23. Off-line MQ Software for desktop installation would be available for download form website as well as on Cds

24. Links of available different Lughats (Quranic dictionaries) such as of Lane's and different Quran translations would be available for download.

For example: a user making a request through MQ software, searching Quranic encyclopedia (Tabweeb-ul-Quran), like "find Ayats relating to main title: "اجر" and its sub-title" would be accessed within no time, integrated of course with Mafhoom-ul-Quran, Exposition of Quran, Root words and Lughat-ul-Quran.

"اجر - ایمان وتقویٰ کا اجر"

"اجر - ایمان و اعمال صالح (یا مومنین) کا اجر"

"اجر - کسی کا اجر ضائع نہیں ہوتا"

"اجر - انبیائے کرامؑ اجر نہیں مانگتے تھے"

"اجر – متفرق"

We would like to thank especially Mr. Iqbal in Representative of Bazm Tolu Islam, Karachi who pushed the limits, remain steadfast and work tirelessly to make it come true.

Surah *Al-Naziat* (النّازعَاتِ) – Durus-al-Qur'an Parah 30: Chapter 4

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

My dear friends, today is June 8, 1984 and today's lecture starts with Surah *Al-Naziat* (النّازعَاتِ). As I had mentioned at the end of my last lecture the first five verses of this Surah are comprised of just two words each. As far as my knowledge goes the essence of *Deen*; the ultimate goal of Islam; the genesis of the Islamic duty of the *Ummah*; the strategy for a new world-order – all of these, amazingly, have been fully incorporated in just these ten words. This is the miracle of the Quran! And you may very well imagine what my emotional state becomes whenever I ponder on the Quran's literary style and its richness of focus: I simply become ecstatic. And as for its power and greatness, the Quran itself says that: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (59:21) – Had We sent down this Qur'an on a mountain, verily, thou wouldst have seen it humble itself and cleave asunder for fear of Allah. [Yusuf Ali]. After all! Humans are not stones. They have emotions. And I start shaking in awe of the Quran's power and eminence whenever I get to such places. Explaining such verses is a challenge and requires extraordinary courage. I keep praying to Allah to give me strength, otherwise I do find courage to face these verses. Iqbal said it beautifully:

Passion taught me the mystery of the Word I wish to convey;

May Allah give me the breath of Gabriel, only then I will say!

Yes, my dear friends, it requires one to have the breath of Gabriel to venture to explain these verses. Otherwise, what is my humble position compared to the Quran's supreme position!? Anyway, I shall try my best to present the profound meanings contained in these verses. But this requires some initial introduction.

Result of self-centered thought – from individuals to nations

My dear friends, let us look the individuals first. The aim of every individual – if he is religious – is *his* salvation. He is obsessed to achieve his *own* salvation. He works very hard at it; he bears all kinds of hardships; and he undergoes harsh esoteric exercises to achieve his salvation. He is focused on his own salvation unconcerned about his neighbor's. If, on the other hand, he is materialistically oriented then he worries about his own career advancement; he works for his own success and material comforts of life. If you go beyond individuals to nations – you find the same pattern. Every nation strives for its own success; its own material progress; its own power and control, no matter if its progress occurs at the expense of other nations, or by sucking their blood. The national hero is one who is most patriotic. What is being a patriot mean? Well, it means – one is a patriot if one works for the benefit one's own nation by squeezing other nations. Who are those people whose statues don the corridors of power, and whose names are written in golden letters in history? Those are the ones who were passionately driven day and night for their own national interests of all kinds; and for whom the only motto was: *my* nation – right or wrong.

My dear friends, if we do in our private life what we do in the name of national interest then we would be called a big Satan. In the words of famous thinker: "If we did for ourselves what we do for our country, what rascals we should be." – Cavour, Foreign Affairs, July, 1952. Rascals they may be. But their people make them heroes; worship them; and erect their statues. Why shouldn't they? What didn't their "heroes" do for their national interest, its power, and its glory? Who knows how many nations and individuals they exterminated in the process? But who cares about them? Whatever bloodshed, destruction, and mayhems are going on in the world today the reasons are the same. Powerful nations always think about their own power, their own control, and their influence in the world. They don't care what happens to other nations. This is what has been going on all through human history. And today the

same thing is going on in front of our eyes – religionist seeking his own salvation in the afterworld and the materialist seeking his own gain in this world. Here "own" may mean "own family" or at the very most "own nation". But in human history we see an exceptional nation: A nation whose Arab leader made it distinct and unique in all the nations. We just saw how a nation decorates its hero – that is, one who brings glory and greatness to his nation at the expense of other nations. Contrary to this, the Quran raised a nation whose motto was: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (3:110) – YOU ARE indeed the best community that has ever been brought forth for (the good of) mankind [Asad]. My dear friends, these are the places where the Quran remains unparalleled and unique. In all of human history you won't find another nation which was raised solely for the benefit of all humankind. But the Quran raised such a nation. In Arabic language the letter "ل" in "لِلنَّاس" means: for benefit. What has the Quran said here? – That a new nation has been raised whose life's mission is to work for the benefit of humanity. And the duty of this nation's Messenger (PBUH) is: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (7:157) – and lift from them their burdens and the shackles that were upon them (aforetime) [Asad].

The duty of the last Prophet (PBUH) and his companions

My dear friends, the very purpose of Prophet's life was that he shall release humanity from all kinds of bonds and chains – not just of his own people but of entire humanity; that he will throw away all the heavy burdens that had been placed on human beings by temporal and religious authorities. This was the duty of the last Prophet (PBUH) and the Messenger of Islam. And after him his *Ummah* inherited this duty via the Quran. This is the purpose of *Deen*. The Quran says: وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (90:10) – We have shown both the ways. One of them is such that humans normally avoid it: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (90:11) – But he would not try to ascend the steep uphill road. This is a difficult task – one cannot climb fast on such a steep uphill road. One needs to stop frequently and take deep breaths. This is the road of *Deen*. This is the road of Islam.

This is the life's mission of this nation which has been raised for the benefit of humanity. Now the Quran says: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ (90:12) – And what could make thee conceive what it is, that steep uphill road? The answer: فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – (It is) to free a slave [Pickthall]. This is the goal of *Deen*. This is the right road of *Deen* which is like climbing up a steep hill – i.e., to eradicate slavery from this world. The Quran does not go into details of this. It enunciates its principle in just two words: فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – It is to free a slave. But this principle so deep that one could write a book about this.

Lack of sustenance gives birth to all kinds of subservience

My dear friends, the highest of repression is being deprived of sustenance; being deprived of the basic needs of life. Compliance then follows naturally. All rulers first try to control the sources of sustenance. And once people become deprived of their basic needs of life it is to turn them into slaves. A slave is always obedient. One who is not deprived will never be enslaved. There is a phrase in our language that we use very often to protest submission: Do I eat someone else's handout? So, how dare he could dictate me!? This is how a life of slavery and obedience begins – by being deprived of basic sustenance. The Quran says that its arduous program of climbing the uphill road begins when the conditions are difficult: اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ (90:14) – And to feed in the day of hunger [Pickthall]. That is, when the basic necessities of life become very scarce due some natural disaster (e.g., earthquake) then to make sure that no one remains hungry; that everyone's basic needs are met – this is the road of *Deen*. In the ultimate goal of releasing humans from bondage and chains of all kinds of slavery the first step is to begin from this point – fulfilling the basic physical needs of people by opening the door of sustenance to everyone; and to make sure that no one feels alienated in the society, not even an orphan: يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (90:15) – An orphan near of kin [Pickthall]. What to say of these two words " يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ " my friends! In two words the Quran says it all – Don't let anyone feel alone in society?

Here "alone" does not mean that one is in a jungle or in a desert or in a lonely place. It is not a physical loneliness. It actually means that one should not feel alone even though one is surrounded by a throng of people.

The first step of climbing the uphill road

My dear friends, don't go far. Just look at your condition today and honestly tell: aren't you feeling alone while living in this society? In reality, every one of us is an orphan, broadly speaking. Whoever is facing difficulties, is suffering alone: أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ (90:16) – or of a needy lying in the dust [Asad]. Leave aside the one who is not able to work. Take the one who is struggling day and night to find a job. He goes out in search of a job – any job. He goes from door to door in the hope of finding anything but returns home in the evening laden with dust. If he is lucky he works as a laborer lifting mud and bricks all his life that does not pay enough to feed his family. He becomes stuck (مِسْكِينٌ static) in this rut for the rest of his life. But life means journey and movement – life is nothing but a passion for journey. Even at the normal physical level life is measured by movement. If one disturbs a still insect and if it moves then we know it is alive, otherwise not.

These Arabs were a strange people. If a snake, all curled up, is lying still one will never know if it is alive or dead? But if you disturb it a little then you will immediately know by its movement that indeed it is alive. Movement is essence of life and the word "حیات" is derived from this movement that is depicted by such a scenario as described above. Life and movement are inseparable from each other. When individuals or nations get stuck and are not able to move forward then that is the shackle that chains them into slavery. The first step then is: فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – to free a slave [Pickthall]. Did you notice what the essence of *Deen* is? It is: فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – to free a slave. The Quran does not go into its details except to mention one aspect that slavery begins when other humans get hold and control of sources of sustenance. This is where the first step of the goal of *Deen* begins; this is where its

practical implementation begins: فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – to free a slave. This is *the* first step along this uphill road.

You see that it is the Quran's clear order to its nation to free slaves and eradicate slavery from this world. So, do you think this nation will enslave free people? But the Muslim history – our so-called Islamic history – tells that Muslim kings used to have up to three thousand slaves and concubines. This issue is being debated until today.

Demand for at least one concubine in the parliament of Pakistan

My dear friends, if you remember some time ago there was a debate about this issue in the parliament of Pakistan, and somehow my name came into the picture. What to do? – It is impossible to explain it without giving an example. When I raised this issue against slavery and concubinary, it is as if, I poked a beehive. The religious establishment started a crusade against me. Mr. Abul Ala Maududi has written a book on this topic and he has proclaimed that slaves and concubines are part of Islam! He shouts who has the guts to say that it is forbidden? He even resorted to name-calling. He alleged that I have lost my mind. What was my "crime" according to him? Hold your breath! It was that I brought the proof against slavery and concubinary from the Quran. So much so that in the parliament of Pakistan a religionist stood up and demanded that if not more, then allow at least one concubine. This is happening today when the UNO in its charter has forbidden slavery. But who cares about the UNO? – Our religious establishment insists that keeping slaves and concubines is a Islamic duty! It says that when we acquire power – that is, when our version of Islam comes to power – then no one will be safe. We proclaim that we have freedom; but which freedom are we talking about anyway when we are told to follow thousand year old man-made sharia laws, knowing full well that these are impossible to implement; knowing full well that these are against knowledge; knowing full well that these are against the Quran? But we feel helpless. We have to accept them. These are all different forms of slavery although on the surface it does not look like it. This

is why Iqbal said about the Quran: It is a message of death for all kinds of slavery. Slavery is not just putting a rope around the neck. It is to lose one's freewill. You are not allowed to quote the Quran. Sharia laws become the law of the land. That is why the Quran said that – فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – to free a slave – is like climbing an uphill road.

My dear friends, I was saying that one cannot even imagine that Quran will allow such thing as slaves and concubines. If it makes – فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) – to free a slave – the foundation of the *Deen* then how could it allow such a thing as slavery? Would it say that go ahead and make other peoples slaves and concubines, and bring them home? Absolutely never. The fact is in days when the Quran was being revealed slavery and concubinary was common not only in Arabia but throughout the world. The Quran closed the door of future slavery and at every step it encouraged freeing of slaves: if you commit a sin then free a slave – whether your own or of somebody else's, and at whatever cost it takes to free them. In the entire Quran, the message is to free slaves, not to make slaves. Making slaves is left only to our religious priesthood now.

My dear friends, the beginning of freedom started with – فَكُّ رَقَبَةٍ (90:13) as the first step. The ultimate goal? – To free the entire humanity from all kinds of slavery. This is the essence of *Deen* and the duty of the *Ummah*. Did you see this was a totally unique and unparalleled thing in the history of humankind? History of nations goes so far as to free one's own people from other nations' slavery. This was also the goal of Pakistan movement which the religious leaders (Nationalist *Ulema*) had opposed. Maulana Hussein Ahmad Madani (1879-1957) was in the forefront of this opposition. His debate with Allama Iqbal (1877-1938) is interesting. Maulana Madani told Allama Iqbal: Why you have started a separate movement for freedom when our goal too is freedom from the British. Why don't you join Congress as we have? On this the seer, this mature visionary, this Mard-e-Momin said: It is alright that with you the goal is to get freedom from the British slavery or from anyone else's

slavery. But to us achieving freedom is not the goal but only a first step to achieve a higher goal. Freedom from British slavery is only a means to achieve freedom from any other human slavery. Our final goal: to free humankind from any human slavery except Allah's.

The duty of the *Ummah* after gaining its own freedom

My dear friends, Allama Iqbal clarified the difference between Mullah's traditional version of freedom and the Quranic version of freedom. He told Maulana Madani that the difference between your version of freedom and ours is that: Our aim is not just to gain our own freedom from slavery but that it is also to try to free all human beings from slavery across the entire planet. The description in previous chapters of the clash between Truth (*Haq* حق) and Falsehood (*Baatil* باطل) was supposed be a non-stop continuous process. Their own freedom – that the Prophet (PBUH) and his companions had gained – was for the purpose of removing all hindrances that had been erected in the path of humanity. I had mentioned that according to normal worldly standards the traditionalists had gained their freedom. This was to be their goal and they achieved their goal. Now, consider *our* freedom. What duty was going to be placed on the Prophet's *Ummah*? Well, in a nutshell, that duty is to free humanity for all kinds of slaveries.

In choosing words the style of the Quran is also a miracle

My dear friends, please ponder on every word of the Quran. I will say it again: please note it down. In any case, I will keep on reminding that only after you dive deep in the Quran that you will start understanding the meanings of its words. Please ponder on the comprehensive of the Quranic words. Then only you will discover the miracle of the Quran. And yet, after further pondering you will be amazed to discover that the style of the Quran is also a miracle of the Quran. The Arabic language has thousands of synonyms. To choose from among these thousands of words the one word to describe the breadth and the depth of the issue at hand is in itself miracle of the Quran

as well. Now, let us come back to the issue at hand. – The duty of the Ummah was to free enslaved and subjugated peoples; to free them of their fetters and chains of slavery and subjugation; and to bring them to the level of a free people. Having broken their own chains is not their ultimate goal of life. In fact, the issue starts from this point in the verse at hand (79:1)

Using the word "غرق" *Gharq* (Drowned) for subjugation and slavery

My dear friends, after this rather long but necessary introduction, let us begin our lecture today with the first verse of this Surah: وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (79:1). There are only two words in this verse. To throw people into slavery and subjugation has always been the practice of tyrant rulers. Their pitiful condition could have been referred to as "pit of degradation" or simply as "degradation". There are many words in Arabic language to describe this situation. But the Quran has chosen the word "غرق" *Gharq* (drowned) – to describe the despicable condition of the people! This was such a low level of degraded state!? This is akin to drowning people in a very deep of water. What happens when a person is drowned in deep water? – He cannot see nor listen to anyone; and no one can listen to him. Allahu Akbar! The Quran has drawn such an extreme picture of slavery in just one word! You can enslave and imprison a person on the surface of the earth – but this would not produce the same effect. He can at least cry if he cannot do anything; he can hear someone; or he can see someone. But the tyrants put stamps on all the doors of feelings of slavery and subjugation. Now he cannot see with his own eyes; he cannot hear with his own ears; and he cannot talk with his own tongue. The tongue is his but the word is theirs; the lamp is his but the night is theirs! Here the Quran has brought the word "غرق" *Gharq* (drowned). I do not know whether or not this moves your hearts, but don't ask what happens to my feelings?

Who knows what he'd say; or see; or he'd do?

If God gave the pious one eyes like mine, too!

Yes, indeed! If only the self-righteous one had the eyes to see that in just one word "غرق" *Gharq* (drowned) the Quran has painted an extreme picture of what the rulers do to their subjects. They turn them into: صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (2:18) – Deaf, dumb, blind - and they cannot turn back. This is what the magic of rulers does to people – they drown people in deep waters so that they cannot hear anyone nor others can hear them; and that they cannot see anything nor others can see them. The Quran asks its followers to pull them out from this depth of pit, from this suffocating state. Now, how to rescue them from the bottom of such a deep sea of subjugation and slavery? What are the obstacles? First, the rulers won't let anyone to rescue their prey. They won't let anyone release these slaves and prisoners. They would put up hindrances and obstacles in this path. But, the biggest hindrance will come from the slaves themselves. That is, when slaves become used to subjugation; when their minds become rigid and habituated with slavery – then they don't themselves want to change:

The arrow is not in the bow, nor is the hunter in ambush;

Yet, in a small corner of my cage, how comfortable I feel!

Psychoanalysis of subjugated people

My dear friends! You cannot free a caged bird. I saw in India that in the early morning some Hindus used to go for a walk while carrying their caged partridges. They usually removed the birds from their cages. The birds dutifully followed them while the wild birds called them to the wild. But instead of running to the wild and fly away, it was strange to see these birds climbed on the cage and knocked at the cage door in order to open it. They were free but they wanted to be caged again when they heard the call of freedom from those free wild birds. This is what happens to a people who become used to and comfortable with bondage and servitude. How beautifully Allama Iqbal puts it:

It is not at all difficult to rule by aggression;

Once the slaves become used to oppression!

This is what happens to a people who become used to slavery? They say to the hunter: Come, get us. We are here waiting for you.

My dear friends, before coming to the next verse let us understand the entire context of what we have discussed by focusing our mind on the state of those who have been subjugated and drowned: these people have lost their sense of perception; they have lost their ability to think. On top of this their tyrant rulers constantly machinate to make sure that they never become free; that no one is able to help them; that even if someone stands up to these tyrants those habituated to a life of servitude do not themselves want to get out of slavery. Now imagine a people drowned to such an extent in the ocean of slavery – and they have to be brought out to the surface of freedom from the bottom of this depth? What is the word that the Quran uses for this? It is indeed a miracle, my dear friends that the Quran has used the word "النّازعَاتِ" whose meaning is: to pull someone up by grabbing his hair. If one wants to bring someone up by swimming and at the same time by physically holding the drowned person, then both will drown. What the Quran has said here is the best way to save such a person – by nudging him up by pulling his hair. When tyrants have pushed people to such low depths of servitude then the only way to pull them out this depth is by pulling their hair. *This* was the duty assigned to the Muslim *Ummah* by the Quran.

Moving step by step towards destination

My dear friends! The first thing is to pull the people to the surface; to bring them to a place where, like everyone else, they could breathe: وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (79:1). The Prophet (PBUH) and his companions, after going through extreme struggle and confrontation, had won their freedom – they had swum from the dark depths and had barely reached the shores when they were told to rescue those who were still drowned. This duty was assigned to them by Allah. What is popularly reported in history about Islamic wars is that Islam spread through the sword. But during the first

period of Islam – these were not wars to spread Islam but to rescue the oppressed ones from tyrant forces of Caesar and Cyrus. Its sacred seed was planted by the Prophet (PBUH) himself in Medina. The Prophet (PBUH) very soon after arrival in Median wrote letters to both Caesar of Rome and Cyrus of Persia about it. Just imagine that the Prophet (PBUH) and his small group pf companions had barely set foot in Medina when he wrote these letters! Could there be any glaring example of David vs. Goliath than this? The Prophet (PBUH) wrote letters to them that stop oppressing your workers and farmers. Otherwise, we will have to stop you. Just imagine! An orphan from Arabia and refugee in Medina who had not yet fully established his state, *he* is writing letters to the greatest empires of the time and telling them to stop their oppression and subjugation of their own people. And, ironically, the the people did not want to get out of their slavery because they had gotten used to this subjugation. First, our Prophet (PBUH) and his companions had to confront these empires and then, they had to pull these people out of the depth of the ocean of their misery – by nudging them, and by pulling their hair. What a picture the Quran has drawn for rescuing these oppressed people from their oppression and subjugation in the very first verse of this Surah – وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (79:1)? So, they did rescue them. But does it mean that the Prophet (PBUH) and his companions accomplished their mission? No, that was only the first step – to breathe fresh air in an environment of freedom after a long subjugation and oppression – in the journey towards the Quranic destination. The next step was for them to recognize the taste of true freewill and freedom of choice.

The concept of freedom in Islam

My dear friends, the next two words present a definition of freedom that in the history of the world one cannot find such an example. What is generally meant by freedom is that a nation and its people have freedom to do anything they want to advance their nation's material power and status. They think that they are not bound by any moral limits. They think that they are free to make whatever decisions they like. They think they can kill people and/or loot their resources under the guise of national security.

This is what freedom means to them. But there is another definition of freedom – a freedom that operates within the limits of certain principles – the universal permanent values. This is the real freedom. Let us see how the Quran explains this by pointing to planets and stars. Certain stars seem to remain at the same position in the sky while planets keep moving within their prescribed orbits subject to the laws of nature. This is real freedom – to be in motion but subject to a fixed law. Similarly, the real freedom according to the Quran is to have full freedom to act and exercise the power of freewill but to do so within the limits of the permanent values specified by the Quran. This is called نشاط (*Nishaat*) or true happiness! – have full freedom to exercise freewill within the limits of permanent values.

Self-imposed control

Please excuse me if there is some bitter taste in this concept of freedom. Do you know what is called happy hour now? – Well! It is when people lose control of themselves. How sad that these misled people have not only lost their senses but have also lost their language! But true happy hour, the real happiness comes by exercising freewill within the boundaries of the Quanic values. I have studied world literature my friends and I can claim unequivocally that this definition of freedom you will not be able to find anywhere else! – To be completely free but within certain self-imposed universal permanent values without any kind of external pressure. This is the true freedom; and this gives the real happiness that one feels so blissful and rapturous. What a beautiful poem is this:

You set me completely free by turning me yours;

What a beautiful slavery; what a lovely freedom!

This is the freedom that the Quran gives to its followers. This is the meaning of the Quranic verse: وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا (79:2) – to pull people out of the depths of darkness and to grant them freedom within the limits of the Quranic permanent values.

My dear friends, the next verse is: وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (79:3) and let us focus on the word "غَرْقًا"

a little more in relation to the word "سَبْحًا" in this verse, which means to swim in a free style fashion with one's full potential. Compare and contrast the two scenarios: scenario one is illustrated by "غَرْقًا" (*Gharqan*) – meaning those who have been subjugated and drowned: those who have been deprived of their abilities of sense-perception; those who have lost their abilities to think – versus the scenario two illustrated by "سَبْحًا" (*Sabhan*) – meaning those whose abilities have been developed to such an extent that they are able to move ahead in every field of life without any hindrance as if they were swimming (سَبْحٌ means to swim freestyle) on the surface (of life) with full power; as if they were racing on racecourse like racehorses with full power with fully stretched legs. What to say of these two contrasting metaphors of "غَرْقًا" (*Gharqan*) and "سَبْحًا" (*Sabhan*) my friends! وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (79:3) – And this way (after they have been pulled up from the bottom to the surface) floating swiftly in the sea of activity, they move onwards without any obstacles in their way; without any hinderer (the Devil) stopping them.

Momin's place according to the Quran – الاَعْلَوْنَ (*Al-a'aloun*) – The topmost position

My dear friends! The *Momineen* (true believers) move so fast that there is no question of them being left behind. It is not possible for any nation to surpass them. The *Momin* cannot even imagine it. His self-respect cannot even tolerate someone at his level. That is why the Quran says: فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (79:4) – and yet overtake with swift overtaking [Asad]. Please pay attention to these two words – in fact with the same word root! Do you see what this nation's life duty is; what its system of life is? How its rescue was realized from slavery and then what was its road to freedom? Do you see how the Quran has summed up the goal of Islam in just two words – always on the march ahead? The Quran has called *Momineen* (true believers) الأعْلَوْنَ (Al-a'aloun): وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3:139) – you are bound to rise high if you are true believers [Asad]. الأعْلَوْنَ (Al-a'aloun) is the highest form of greatness beyond which no other

greatness is possible. That is where a nation raised in the name of God, in the name of the Quran is supposed to be. And its duty is to rescue all the oppressed peoples of the word from the depth of misery and remove all the obstacles placed in their way by tyrants and bring them to freedom and make them strong so that they are able to float swiftly and march onwards.

The golden period of Islam

My dear friends, this, the first period of Islam, was *the* golden period of Islam. Alas! If its history was not compiled from the angle as that described above! – Not only did they come out from their depths swimming but they also pulled other drowned peoples to the surface. The struggle of that first period; their military preparation; the confrontation with dark forces of evil – all this was for this purpose. Such a history would have told which nations they had pulled out from their depths of darkness; and then they had given a freedom that the Quran calls blissful and heavenly freedom – freedom within the limits of Quranic permanent values; and then how their potentials were developed and actualized that enabled them to race ahead in the life of race that no one could come even close to them.

The meaning of مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (Maalike Yaumiddin) – the Master of the Day Judgment

My dear friends! So far the Quran was explaining things in metaphors and similes. In the next verse it now presents its message directly: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (79:5) – they dealt with all their affairs by their *own* thoughts and planning. How wonderful! Now, they received the right guidance; the true freedom; and the real authority to govern by their own freedom of choice and freewill within the limits of the Divine code: وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (82:19) – The (absolute) command on that day is Allah's. This is the goal. This is the meaning of مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (*Maalike Yaumiddin*).

My dear friends! In every ra'ka (unit) of every prayer we recite the opening *Suarh Fatiha*. If we count how many times we recite "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (*Maalike Yaumiddin*)" in

all the ra'kas (units) of all the daily prayers the total comes to more than 40. And: وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (82:17) – what could make thee conceive what that Judgment Day will be? [Asad]. If you do not know then We will tell you about it. This will be period when this society, this code of life, this system will be such that: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا (82:19) – It will be a Day when no human being shall be of the least avail to another human being [Asad]. This will be the "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (*Maalike Yaumiddin*)". So, would there be anarchy that one does what one wants? There is a famous story that after freedom was declared an old woman was crossing the road. The traffic police told her not to cross the road there. She told I can cross wherever I want as I am free today. In the mean time she got hit by a cyclist. The old woman shouted: what is this? The cyclist replied: this is freedom! My dear friends, this is not freedom. Real freedom is one in which no one is dependent on another human being except that every matter will be decided based on the values laid down by Allah in the Quran. This is يَوْم الدِّين – where everyone will have equal respect. They will find out solutions to their problems by themselves with the condition that decision regarding every matter will be done according to the decision of Allah. This nation that had acquired freedom with their own effort after a long struggle and after facing multiple clashes on the battlefield – this nation pulled other nations out of the darkness of oppression and into the light of freedom. This was the duty of the Muslim Ummah. This was the Deen. This is the Sunnah of the Prophet (PBUH). This is the very first message of action of the Quran to the nation of its followers.

My dear friends, we have covered today the first five verses of Surah *Al-Naziat* (النّٰزِعٰتِ). Establishing the *Deen* is not a bed of roses that everything will be hunky-dory. You have seen how tyrant rulers don't allow a single slave to become free from their iron grip of tyranny, let alone a whole nation. The following verses continue to the same theme of how these ruthless tyrants do not let up on their victims. This we will discuss in the next lecture.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)

☆.....☆.....☆

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL[R] AND QUAID-E-AZAM[R]

CPL NO. 28
VOL.68
ISSUE
3

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B, Gulberg 2, Lahore, Pakistan
Phone. 042-35714546 , 042-35753666
E-mail:idara@toluislam.com
web:www.toluislam.com